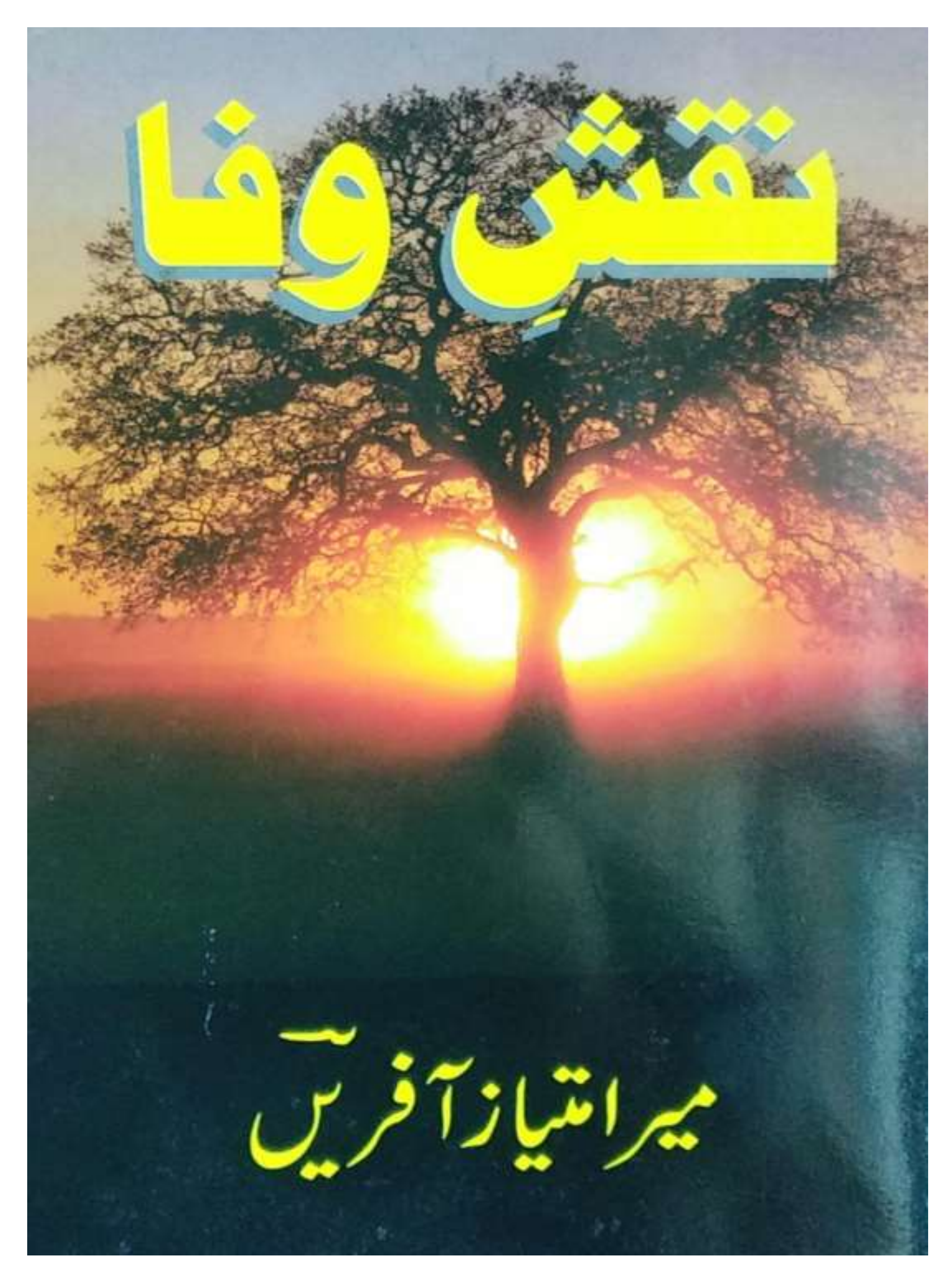

نقشِ وفا
سے
میر امتیاز آفریں

This page is intentionally left blank.

نقشِ وفا

میر امتیاز آفریں

نام کتاب: نقشِ وفا

مؤلف: میر امتیاز آفریںؔ

اشاعت:2021

قیمت:150

Name of Book: Naqsh e Wafa

Author: Mir Imtiyaz Aafreen

(MA, B Ed., JKSET)

Address: Gulmor Kanir Chadoora Budgam J&K (India) 191113

Published by: Litlight Publications

+923034248803

Price: 150/- INR

Email: imtiyazaafreen@gmail.com

Mobile: +919858064648

ISBN: 978-93-5419-395-8

انتساب

عشل اور عمیرہ کے نام!

جو میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہیں

ربنا هب لنا من أزواجنا وذرياتنا قرة أعين واجعلنا للمتقين إماما- (القران-25:74)

اے ہمارے پروردگار! ہمیں اپنے بیوی بچوں سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما اور ہمیں پرہیزگاروں کا سربراہ بنا دے۔

دہر میں نقشِ وفا وجہِ تسلّی نہ ہوا
ہے وہ لفظ کہ شرمندۂ معنی نہ ہوا

غالبؔ

تاثرات

جہانِ رنگ و بو پہ بادل بن کے چھائیں گے
خاک و خوں میں مل کے جو یہاں کھو جائیں گے

نقش وفا : احساسات کا حسین مرقع

محمد شفیع راتھر

لیکچرر انگلش محکمہ تعلیم حکومت جموں و کشمیر

ریاست جموں و کشمیر میں اردو ادب ایک حقیقت ہے جو نہ صرف مقامی یا ملکی سطح پر ابھرنے والی تحریکوں کے دوش بدوش کھڑا رہنے کی طاقت رکھتا ہے بلکہ اس میں عالمی سطح کے معیارات پر پورا اترنے کی صلاحیت بھی موجود ہے۔ چنانچہ اردو ریاست جموں و کشمیر کی سرکاری زبان ہے اور یہاں بسنے والے لوگ، جو بہت ساری زبانیں بولتے ہیں، آپس میں جڑے رہنے اور ریاست کو ایک مکمل سیاسی اور لسانی اکائی کے طور پر برقرار رکھنے کے لئے اردو ہی کا استعمال کرتے ہیں، یوں اردو ہماری وحدت کی علامت ہے۔ اس طرح ریاست جموں و کشمیر میں اردو کو وہی مقام حاصل ہے جو باقی دنیا میں انگریزی زبان کو ہے۔ اردو یہاں کی لنگوا فرینکا ہے۔ اس صورت حال کو ذہن میں رکھتے ہوئے یہ بات از حد قوی اور مناسب ہے کہ ریاست جموں و کشمیر میں اردو ادب کا پنپنا اور ابھرنا ہماری یکجہتی اور سالمیت کے لئے کسی تریاق سے کم نہیں ہے۔ یہ بات بھی مبنی بر حقیقت ہے کہ جس چھوٹی سی وادی نے اردو ادب کو پروفیسر حامدی کشمیری جیسا عالمی شہرت یافتہ نقاد اور شاعر دیا ہو وہاں اس کے زیر اثر نئے نئے اور پر جوش ادباء اور شعراء کی ایک سدا بہار فصل تیار ہونا لازمی ہے۔ اس فصل سدا بہار کا ایک نوجوان مگر اپنے اندر ایک تناور اور سایہ دار درخت بننے کی صلاحیت موجود رکھتا ہوا پودا میرا امتیاز آفریں ؔ ہے۔ اپنے پہلے ہی شعری مجموعے 'نقش وفا' میں شاعر اپنے روشن مستقبل کی نوید سناتا ہے۔

زیر تبصرہ کتاب غزلیات، نظم، تراجم اور نعوت پر مشتمل ہے، جو شاعر کی مادری زبان یعنی کشمیری اور سرکاری زبان اردو میں لکھی گئی ہیں۔ کتاب کا ہر ورق ایک دلفریب اور پرکشش گلدستہ قاری کے استقبال میں پیش کرتا ہے۔ میر امتیاز آفریں ؔکی ساری شاعری پر تصوف اور روحانیت کا زبردست اثر دیکھنے کو ملتا ہے۔ لیکن شاعر کا کمال ہے کہ وہ اتنے دقیق اور سقیم موضوعات کو سلیس اور سادہ الفاظ کا جامہ پہنا کر غیر ارضی اور مشکل پسندی سے بچا لیتا ہے۔ شاعر اپنے تحریر کردہ 'پیش لفظ' میں رقمطراز ہے:

'میری نظر میں شاعری کو فلسفے کی گتھیاں سلجھانے کے لئے استعمال نہیں کیا جانا چاہئے بلکہ اسے جزبات واحساسات کے ابلاغ کا ذریعہ بنانا چاہئے تاکہ قاری بیک وقت محظوظ بھی ہو اور حکمت انسانی سے روشناس بھی۔'

قاری اور نقاد کو اس بات کا لحاظ رکھنا ازحد ضروری ہے کہ 'نقش وفا' دراصل ان دنوں کی تخلیق ہے جب شاعر اسکول اور کالج میں زیر تعلیم تھے۔ کتاب کا پہلا شعر:

اے شمع محبت آجا ذرا پردے سے نکل کے

ہوگیا میں تو راکھ تیری اگ میں جل کے

کتاب کی روح اور شاعر کا مزاج دیکھنے اور پرکھنے کے لئے کافی ہے۔ شاعر نے ایک کمال درجے کے صوفیانہ تجربے کی عکاسی کی ہے۔ 'شمعِ محبت' اس کائنات کی روح ہے، یہی زندگی کی نوید ہے اور یہ 'شمعِ محبت' قرآنی پیرائے میں حضرت موسی کلیم اللہ سے حجابات کے پیچھے سے ہمکلام ہو جاتی ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ شاعر عشق حقیقی کی بھٹی میں تپ چکا ہے اور اپنے محبوب سے پردوں سے باہر آکر وصال کی درخواست کرتا ہے۔ بقول اقبالؒ:

کبھی اے حقیقت منتظر نظر آ لباس مجاز میں

کہ ہزاروں سجدے تڑپ رہے ہیں، میری جبین نیاز میں

حقیقت کو لباسِ مجاز میں دیکھنے کی آرزو لئے شاعر سنت موسوی کی پیروی کرتے ہوئے دیدار کا تقاضہ کرتے ہوئے نظر آتا ہے۔

تصوف اور روحانی تجربات کے اظہار کے ساتھ ساتھ شاعر فطرت کی خوبصورتی سے ازحد متاثر نظر آتا ہے۔ وہ حسنِ کائنات کو حقیقتِ ازل کی ہی جلوہ گری تسلیم کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ کشمیر جنت بے نظیر کے بے پناہ حسن کو وہ اسی سلسلے کی ایک کڑی سمجھتے ہیں:

گلمرگ کی ٹھنڈی فضاوں میں ہر گل تاریخ ساز سر سبز پیڑ پودوں کو جہاں نما ہونے پہ ناز

آب زر میں پنہاں وہ حسن ازل چاندنی رات دیکھا کنارے جھیل ڈل کے

وہ اپنے ذاتی احساسات و تجربات اور مقامی مشاہدات کو آفاقی بنا دیتے ہیں جس سے ہر کوئی متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ پاتا۔

ایک عاشق کے لئے وصال متاعِ حیات ہوتی ہے اور مقصدِ حیات بھی۔ بندے کا اپنے خالق کو بے حجاب دیکھنے کی خواہش ایسا تجربہ ہے جسے حاصل کرنے کی تڑپ میں بندہ زمان و مکان کی قیود سے آزاد ہو کر لافانی بن جاتا ہے۔ عاشق تمام عمر دید کی اس ایک ساعت کے انتظار میں گزار دیتا ہے جو اس کے من کی دنیا کو ہی بدلنے کی طاقت رکھتی ہے۔

نہ صبح کہیں نہ کہیں شام ہو دید کے سوا نہ کوئی کام ہو

نظم 'نور کی برسات' میں شاعر برف باری کے منظر کی عکاسی کرتے ہوئے شاید اسی تجربے اور احساس کو زبان دیتا ہے جو ہر عاشق زندگی بھر اپنے وجود کے اندر لئے ہوئے اس وقت محسوس کرتا

ہے جب ہجر کی کالی سیاہ رات کا پردہ چاک ہو جاتا ہے اور وصال یار سے نور کی شعائیں برسات کر دیتی ہیں۔

نور کی برسات ہے قدم قدم ڈھونڈے سکوں مری چشم پرنم

برفیلی سفید وادیوں میں کوئی نہیں ہے دل کی ابھری یادوں میں کوئی نہیں ہے

جہاں بھی دیکھئے یہی نور کی برسات خدائے حسن کی ہے حسیں سوغات

ٹھنڈ میں بھی دل جل رہا ہے چشم تر میں طوفاں مچل رہا ہے

شاعر کو اس بات کا پورا احساس ہے کہ آنکھ جلوہ یار کو دیکھنے کی متحمل نہیں۔ یہ جان کر بھی کہ یہ جہاں بمثل طور نورِ تجلی کی اک کرن سے ریزہ ریزہ ہو جائے گا، شاعر امید بسائے ہوئے ہے کہ عاشق کو جب روحانی لافانیت سے نوازا جائے گا، تبھی وہ سراپائے یار کا مشاہدہ کرنے کے قابل ہوگا۔ شوقِ وصال میں شاعر اپنی اڑان اس دنیا میں لے جانا چاہتا ہے جہاں نہ بشری تقاضے ہیں اور نہ دنیا کے بندھن۔

آب وگل سے واسطہ ہمارا رہا ہے تو رہے تھامی ہے زمام عشق گردوں پہنچ جائیں گے

مرتے ہیں دار پہ عاشق عبث ہزار خنجر تیری آنکھیں سینے میں دل نہیں ہے

فرحت سے جھوم اٹھے، زمانے کے اہل حوس دیکھے نہیں ہیں ہنوز محبت کے رسن و دار

جہان رنگ وبو پہ بادل بن کے چھائیں گے خاک وخوں میں مل کر جو یہاں کھو جائیں گے

کتاب میں انگریزی زبان کی کچھ نظموں کا بھی دلکش ترجمہ کیا گیا ہے جیسے 'گل پژمردہ'، 'تنہائی'، 'لحظ جگر' 'فنا کی تعلیم' وغیرہ۔ ترجمے میں آزادانہ روش برتی گئی ہے اور دوسرے شعراء کے افکار کو خوبصورتی سے ایک نئے سانچے میں ڈھالنے کی کوشش کی گئی ہے۔

مابعد طبعیاتی وادیوں میں محو ہونے کے باوجود شاعر غم حیات سے بھی پوری طرح آشنا نظر آتا ہے۔ کائیناتِ انسانی کے سلگتے ہوئے مسائل پر بھی کئی اشعار میں روشنی ڈالی گئی ہے:

سنگ بازی سے نہ ٹوٹی ظلم کی زنجیر خون ناحق سے بھرپا طوفاں ہوگیا

کہیں سے تو ہو نئے سویرے کا آغاز امید فردا تو ابھرے، سیاہ رات چلے

زندگی جیسی سنی تھی کچھ کم ہے ہر خوشی میں پنہاں پھر کوئی غم ہے

شب غم، تنہائی، مار ڈالے ہے آفریں دونوں میرے رفیق، کس کو برا کہوں

شاعر سماج کی آنکھ بن کر اس کا جزو لاینفک بن جاتا ہے۔ سماج میں ہونے والے ہر خیر و شر پر اسکی گہری نظر ہوتی ہے۔ یہی بات میر امتیاز آفریں ؔپر بھی صادق آتی ہے۔ وہ سماج میں ہو رہے استحصال پر خون کے آنسوں بہاتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ اور استحصالی عناصر اور قوتوں کو مجاہدانہ وار بے نقاب کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ کتاب میں موجود کشمیری نظم ' ژھایہ ٹھری' ان تمام استحصالی قوتوں کو رسوا کر دیتی ہے جن کے ہاتھوں انسانیت خونچکاں ہے:

مشیدَن تہ مندرَن ہندی پُجاری

آدم رَتَس تہ ملژارَس کران باپار

پیر، درویش، گور، مجاوَر

سیود ساد اعتقادَس ہیوان باج

سیاست دان، گونماتھ افسر

مکری ہونی رَتَس دِوان دام

کتاب کے اندر موجود جملہ نعتیں عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے جزبے سے لبریز نظر آتی ہیں۔ان نعتوں میں والہانہ عقیدت کے ساتھ ساتھ آداب شریعت کی بھی پوری پاسداری دیکھنے کو ملتی ہے۔ وہ عقیدت کے اظہار کے دوران ہرگز شریعت کے اصولوں سے دور نہیں چلے جاتے جیسا کہ اکثر نعت گو شعراء سے شکایت رہتی ہے۔ وہ اعلیٰ سے اعلیٰ جذبات بھرے احساسات کو شریعت کی ترازو میں طول کر ہی زبان دیتے ہیں:

دیار حبیب میں بسر صبح و شام کرتے　　آنکھوں ہی آنکھوں میں ہم کلام کرتے

اس سے پہلے کہ شمعِ زیست ہماری بُجھے　　ہم اپنی یہ زندگی تیرے ہی نام کرتے

آرزوئے آفریں ہے مدینے میں ہو قیام　　نیچی بھیگی پلکوں سے ہم سلام کرتے

کتاب کا کشمیری حصہ مختصر ہونے کے باوجود خاصا دلچسپ اور لائق مطالعہ ہے۔کتاب میں موجود دیگر اصناف سخن میں بھی میر امتیاز آفریں اعلیٰ درجے کی روایات قائم رکھتے ہیں اور قاری ایسا محسوس کرتا ہے جیسے وہ سکون کی وادیوں میں قلندرانہ وار گھومتے ہوئے کسی نئی منزل کی طرف رواں دواں ہے۔

نقش وفا : سوغاتِ محبت

صوفی شاہد الحق

کسی فنکار کے کام پر بالخصوص اس کی فرمائش پر کچھ لکھنا میرؔ کے لفظوں میں مردِ ناتواں سے اک بھاری پتھر اُٹھوانے کے مترادف ہے۔ غیر جانبداری سے کام لے کر تنقیدی جائیزہ لیا جائے تو کبھی کبھی اس سے فنکار کی حوصلہ شکنی ہوتی ہے اور جانبداری سے کام لے تو ناقد کے منصب کی ہی توہین ہوتی ہے۔ اگرچہ ایک فنکار اپنی طرف سے جان بوجھ کر اپنے کام میں کوئی نقص رکھنا گنوارا نہیں کرتا اور جی جان سے اپنی ساری صلاحیتیں بروئے کار لاکر انجمنِ سخن میں اپنے فن پارے کو پیش کرتا ہے۔ لیکن لاکھ کوششوں کے باوجود کچھ نہ کچھ خامیاں ضرور رہ جاتی ہیں۔ نقادوں نے تو شیکسپیر کے عظیم ڈرامے ہیملیٹ میں

بھی عیب نکالے ہیں اور اسے

artistic failure

کہنے کی بھی جسارت کی ہے تو ہم اور آپ کس کھیت کی مولی ہیں۔ مگر تنقید بھی ضروری ہے کیونکہ اسی سے ایک شاعر کا فن نکھر کر اپنی معراج کو پہنچتا ہے۔ بقولِ مولانا رومیؒ جس طرح شیشے کو صاف کرکے ہی اسمیں صحیح تصویر نظر آتی ہے اسی طرح تنقید بھی انسان کے فکروفن کو نکھارتی ہے۔

"Criticism polishes my mirror" Rumi

جہاں تک میر امتیاز آفریں صاحب کا تعلق ہے، راقم نے انہیں کئی دلچسپ اور گرانقدر صفات سے متصف پایا ہے۔ انگریزی ادب و فلسفہ پر انکی اچھی خاصی نظر ہے،ایک کامیاب استاد ہونے کے ساتھ ساتھ وہ شعر و ادب کے اتار چڑھاو سے بھی خوب واقف ہیں۔ اردو، انگریزی اور کشمیری زبانوں کے ساتھ انہیں گہرا انس ہے۔ اسلام اور تصوف کے ساتھ ان کا خاصا لگاو ہے اور صوفیانہ افکار و نظریات سے بھی بہت متاثر ہیں۔ ان تمام رنگوں سے ان کی شاعری بھی رنگین نظر آتی ہے۔ ان کی کچھ نظمیں اور غزلیات جب کچھ اخبارات اور رسائل میں پڑھنے کو ملیں تو دل متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا اور ان سے فرمائش کی کہ آپ اپنے کلام کو شائع کیوں نہیں کرتے۔ خیر کافی دیر بعد ان کا یہ پہلا شعری مجموعہ ہمارے ہاتھوں میں ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ جو بھی اس شعری مجموعہ کا مطالعہ کرے گا محظوظ ہوئے بغیر شائد ہی رہ پائے۔ اسمیں انہوں نے اپنی عرفانی، وجدانی اور رومانی احساسات کو شعری جامہ پہنانے کی بھرپور کوشش کی ہے تاکہ قارئین ان کیفیات کو محسوس کر سکیں جو خون کی طرح انسان کے داخلی وجود میں گردش کرتی رہتی ہیں۔ کبھی حقیقت کو مجاز کے پردے میں آشکار کرنے کی سعی کی گئی ہے اور کبھی مجاز کو حقیقت کے پردوں میں سجانے کی کوشش کی گئی ہے۔ جمالیاتی زاویے سے دیکھا جائے تو ان کا کلام مسحور کُن اور دلکش ہے۔ وہ اپنے کلام کو فلسفیانہ گُتھیاں سلجھانے کیلئے نہیں بلکہ جمالیاتی ابلاغ کیلئے وقف کئے ہوئے نظر آتے ہیں۔ افکار و احوالِ تصوّف چونکہ انتہائی مبہم اور پیچیدہ ہوتے ہیں مگر انہوں نے نہایت ہی آسان لب و لہجہ اپنے لئے اختیار کیا ہے اور دقت پسندی سے گریز کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔

اس شعری مجموعے میں بڑی خوبصورتی سے کچھ انگریزی نظموں کو اردو اور کشمیری زبانوں میں ڈھالا گیا ہے اس سے شاعر کے مختلف زبانوں پر دسترس رکھنے کا پتہ چلتا ہے۔

تراجم میں سہل پسندی اور آزادانہ روش برتی گئی ہے جو کہ قابلِ ستائش ہے۔ صوفیانہ کلام کے ساتھ ساتھ کچھ عمدہ نعتیں بھی اس مجموعے کی زینت ہیں جن میں حبِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم

کا جزبہ جوش مارتا ہوا نظر آتا ہے۔اگر خالص ادبی اور تنقیدی ذاویے سے اس مجموعے کو پرکھا جائے تو ماہرینِ فن اس میں خامیاں بھی پائیں گے۔کئی جگہوں پرجہاں بحر ٹوٹتی نظر آتی ہے تو کئی جگہوں پر سوز وگداز کی کمی، کہیں کوئی لفظ استعمال کیا گیا ہے اور یہ محسوس ہوتا ہے کہ دوسرا لفظ استعمال کیا جاتا تو زیادہ بہتر تھا۔آزاد نظموں میں اور کچھ غزلوں میں شعری روایات کو زیادہ سنجیدگی سے ملحوظِ نظر نہیں رکھا گیا ہے جس سے ظاہر ہے ماہرینِ فن مایوس ہونگے ۔ان اسلوبی خامیوں کے باوجود یہ شعری مجموعہ اس لائق ہے کہ اسے ایک گرانقدر فن پارے کی حیثیت سے قبول کیا جائے۔ چونکہ شاعر نے خود اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ اس مجموعے کو شعراء کی صف میں خود کو درج کروانے کی کوشش کے طور پر نہیں بلکہ یادوں کو سمیٹنے کے طور پر دیکھا جانا چاہئے۔آخر میں میں یہی کہوں گا کہ واقعی یہ مجموعہ اس لائق ہے کہ اسے متانت و سنجیدگی سے دیکھا جائے اور شاعر کو دادِ سخن دی جائے کیونکہ انہوں نے انسانی جذبات و احساسات کے ابلاغ کیلئے ایک کامیاب کوشش کی ہے۔

یہ ذوقِ سخن اسی طرح برقرار رہے اور اللہ کرے ذورِ قلم اور زیادہ۔

"میری نظر میں شاعری کو فلسفے کی گتھیاں سلجھانے کیلئے استعمال نہیں کیا جانا چاہئے بلکہ اسے جذبات واحساسات کے ابلاغ کا ذریعہ بنانا چاہئے تاکہ قاری بیک وقت محظوظ بھی ہو اور حکمتِ انسانی سے روشناس بھی۔ایلن ایڈگرپو کی نظر میں شاعری ترنّم بھرے الفاظ میں حسن کی تخلیق کا نام ہے ۔حسن ہی انسان کے ذہن و دل کو وجد میں لاکر سرشار کرتا ہے اور دائمی فرحت وانبساط سے بڑے بڑے خشک دماغوں کے دامن بھی بھر دیتا ہے۔ شیلے کے مطابق شاعر ایک بلبل کی طرح ہے جو تنہائی کے اندھیرے کونے میں اپنے آپ کو میٹھے سُروں سے مسرور کرنے کیلئے گاتا ہے ۔تنہائی شاعر کا عظیم سرمایہ ہوتا ہے جسمیں وہ اپنے نجی احساسات کی لذت سے خود کو مصروف رکھتا ہے اور صرف اپنے شوق کیلئے ان احساسات کو شعری جامہ پہناتا ہے۔"

پیش لفظ

شاعری نام ہے احساسات وخیالات کے ترنّم میں اظہار کا اور شعراء وہ عظیم ہستیاں گزری ہیں جو زبان وبیان پر معجزاتی دسترس رکھنے کے ساتھ ساتھ انسانی احساسات وجذبات پر غضب کی نظر رکھتے تھے۔ قدیم یونان سے لے کر جدید دور تک، شاعری اور شعراء کو الہام کے ساتھ جوڑا گیا اور انکی غیر معمولی عزت وتکریم کی گئی۔ مختلف ادبی روایات پر نظر ڈالنے کے بعد یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ شاعروں نے اپنے ادوار میں ایسے جواہر پارے لکھ چھوڑے ہیں جنہیں دیکھ کر انسانی عقل دنگ ہو کر رہ جاتی ہے۔

ہومر، سوفوکلیز، شیکسپیر، ملٹن، ورڈسورتھ، کیٹس، ایلیٹ، رومیؔ، فردوسیؔ، سعدیؔ، غالبؔ، اقبالؔ اور فیضؔ جیسے شاعر اسی سنہری زنجیر کی کڑیاں ہیں۔ ان غیر معمولی صلاحیتوں سے لیس اشخاص نے ادب کی دنیا میں وہ قدریں نقش کی ہیں کہ انکی نقل کرنا تو دور انکے قریب پہنچنا بھی ناممکن نظر آتا ہے۔ ان کی تخلیقات سے روحیں صدیاں گزرنے کے بعد بھی وجد میں آجاتی ہیں اور زندگی میں آگے بڑھنے کا حوصلہ اور سلیقہ پاتی ہیں۔ یہ بات بلا خوفِ تردید کہی جا سکتی ہے کہ شاعری کا معیار گرتا جا رہا ہے اور اسکی بڑی وجہ شائد یہ بھی ہے کہ اب سماج شعراء کی وہ قدر نہیں کرتا جو پہلے ہوا کرتی تھی۔

جہاں تک عالمی ادبی وراثت کا تعلق ہے، یہ اتنی عظیم ہے کہ آج بڑے سے بڑے ادیب ونقاد کو گھٹنوں کے بل کاسۂ گدائی کرنا پڑتی ہے اور اسے اپنا قد انتہائی بونا نظر آتا ہے۔ کبھی ایسا بھی لگتا

ہے کہ جو کچھ لکھنا تھا وہ تو اگلے کر گزرے اب ہم سے انکی شرح اور تسہیل کا کام بھی لیا جائے تو وہ بھی بڑی بات ہوگی۔

پوسٹ ماڈرنزم نے تو سارے قید وبند کے تلسم توڑ ڈالے اور ادبی تخلیقات کو ہر قسم کی بندشوں سے آزاد کرکے میدان کو کھُلا چھوڑ دیا اور یوں ہر قسم کے لوگ شاعروں کی قبا پہنے کو دوڑ پڑے اور نتیجے میں اور بھی معیار میں گراوٹ آگئی۔

جہاں تک اس ناکارہ کا تعلق ہے ،یہ تو ادب کے ایک طالب علم کی حیثیت سے کچھ گزارشات عرض کی ہیں ورنہ اس موضوع پر کلام کرنے پر بھی مجھے شرم آتی ہے۔کیونکہ ادب کے رمزشناسوں میں میں اپنے آپ کو کہیں نہیں پاتا۔جس ادبی گراوٹ کا میں نے تذکرہ کیا، اسکی عملی صورت یہ بھی ہے کی مجھ جیسا زبان وبیان سے ناآشنا شخص بھی اپنا کلام آپکے سامنے رکھنے کی جرت کر رہا ہے۔میں امید کرتا ہوں کہ اہلِ علم وادب میری اس بے ادبی کو معاف فرمایں گے۔

یہ جو کچھ آپ کے سامنے ہے دراصل اسکول،کالج اوریونیورسٹی میں تعلیم کے دور کی کاوشیں ہیں۔ان دنوں راقم اک عجیب دنیا کا مسافر تھا،احساسات اور جذبات کے بحرِبیکنار میں غوطہ زن تھا۔ان دنوں ادبی ضابطوں سے بالکل ناآشنائی تھی، جو کچھ گرد ونواح میں محسوس کرتا تھا اسے دل کے اصرار سے مجبور ہو کر شعر کا جامہ پہناتا تھا۔بچپن سے ہی رومانیت اور تصوّف کے مضامین کے ساتھ گہری دلچسپی ہونے کی وجہ سے شاعری کی طرف میلان ہوگیا اوران دونوں کا اثر اس شعری کاوش میں آسانی سے دیکھا جاسکتا ہے۔شعر وسخن میں آج تک راقم کا کوئی استاد نہیں۔شائد یہی وجہ ہے کہ اہلِ ادب اسمیں خامیاں ضرور دیکھیں گے۔اسکی کئی وجہیں ہیں، ایک تو یہ کہ آج تک ایسا استاد ملا ہی نہیں جو باقائدہ اصلاح کی مشقت مجھ جیسے نالائق طالبِ علم کیلئے اُٹھاتا۔دوسری وجہ یہ ہے کہ اس شعری کاوش کو راقم نے ہمیشہ ذاتی یادداشتوں کی نظر سے دیکھا ہے اور کبھی بھی سنجیدگی سے شعر گوئی کی طرف التفات نہیں کیا۔ اس شعری مجموعہ کا اکثر

حصہ اردو کے کچھ بڑے شعراء کی دیکھا دیکھی میں 1999 سے لے کر 2010 تک تخلیق کیا گیا ہے۔ حالانکہ کئی نظموں اور غزلوں کو کئی بار خود اصلاح کی غیر محتاط چھلنی سے گزارنا پڑا پھر بھی اکثر حصہ انہیں دنوں کی یادگار ہے۔ یہ مجموعہ اپنے آپ کو شاعروں کی صف میں درج کرنے کی غرض سے نہیں لکھا گیا ہے بلکہ اسے اپنی یادوں کو محفوظ رکھنے کی اک کوشش کے طور پر دیکھا جانا چاہئے۔

میری نظر میں شاعری کو فلسفے کی گتھیاں سلجھانے کیلئے استعمال نہیں کیا جانا چاہئے بلکہ اسے جذبات واحساسات کے ابلاغ کا ذریعہ بنانا چاہئے تاکہ قاری بیک وقت محظوظ بھی ہو اور حکمتِ انسانی سے روشناس بھی۔ ایلن ایڈگر پو کی نظر میں شاعری ترنّم بھرے الفاظ میں حسن کی تخلیق کا نام ہے ۔ حسن ہی انسان کے ذہن ودل کو وجد میں لاکر سرشار کرتا ہے اور دائمی فرحت وانبساط سے بڑے بڑے خشک دماغوں کے دامن بھی بھر دیتا ہے۔ شیلے کے مطابق شاعر ایک بلبل کی طرح ہے جو تنہائی کے اندھیرے کونے میں اپنے آپ کو میٹھے سُروں سے مسرور کرنے کیلئے گاتا ہے ۔ تنہائی شاعر کا عظیم سرمایہ ہوتا ہے جسمیں وہ اپنے نجی احساسات کی لذت سے خود کو مصروف رکھتا ہے اور صرف اپنے شوق کیلئے ان احساسات کو شعری جامہ پہناتا ہے۔ اس مجموعے کو انہی ادبی نظریات کے زیرِ اثر مرتب کیا گیا ہے۔

چونکہ وقت کے ساتھ ساتھ انسان کے افکار وعقائد میں تبدیلی ایک فطری عمل ہے لہذا اس مجموعے کو وقت کے سیاق وسباق میں دیکھنے سے اسے زیادہ اچھی طرح سمجھا جا سکتا ہے۔ اس بات کا تذکرہ ضروری ہے کہ مسلسل مطالعہ اور دیگر تجربات کے نتیجے میں راقم کے افکار ونظریات میں کافی تبدیلیاں واقع ہوئیں ہیں۔ کوشش یہ رہی ہے کہ قارئین ان جزبات واحساسات کو محسوس کرکے سرشار ہو سکیں جن سے متاثر ہو کر ان شعری تخلیقات کو مرتب کیا گیا ہے۔

میر امتیاز آفریںؔ

گلمورکانیر چاڈورہ بڈگام کشمیر 191113

+919858064648

Email: imtiyazaafreen@gmail.com

20 دسمبر 2021 (سوموار)

اے شمعِ محبت آجا ذرا پردے سے نکل کے

ہوگیا میں تو راکھ تیری آگ میں جل کے

خرد نے بارہا تجھے یوں سجدے کیے

بدلے میں رکھدی تو نے زندگی بدل کے

وہ دن بھی تھے کہ آسماں پہ پڑتے تھے قدم

یہ دن بھی ہیں جیسے خواب ہیں وہ کل کے

آرزوئے دل ہے صدائے سحر آفریں

تیری ایسی ہی سنوں خاک میں بھی مِل کے

آبِ زر میں پنہاں وہ حسنِ ازل

چاندنی رات دیکھا کنارے جھیل ڈَل کے

سناٹے میں بھی کوئی آواز سنائی دی ہے

تیرا نام یوں پکارا دل نے مچل مچل کے

مئے سی مست آنکھوں سے پینے دے ساقی

تیری جستجو میں آیا میکدے سے نکل کے

پردے اٹھا کے سارے وہ آشکار ہوں

زاہد تو کیا شئے فرشتے گریں پھسل کے

یہاں پی کے غازیوں کے لڑکھڑاتے ہیں قدم

ممکن نہیں میرؔ میکدے سے جاو چل کے

جہانِ رنگ وبو پہ بادل بن کے چھائیں گے

خاک وخوں میں مل کے جو یہاں کھو جائیں گے

آب وگل سے واسطہ ہمارا رہا ہے تو رہے

تھامی ہے زمامِ عشق گردوں پہنچ جائیں گے

ساحل پہ منتظر، خود ہی کو تلاش کر لے

آنکھوں کے بھنور میں دو جہاں سمائیں گے

آرزوئے دید میں ، بھٹکے شام و سحر

کہاں نہیں وہ جلوہ گر ، خود کو سمجھائیں گے

بتِ کافر کے فسوں نے،کام تمام کر دیا.

حرمِ دل کی دیواروں کو آج ہم گرائیں گے

مئے کشوں کی آرزو ہے، دیدارِ عام ہو

موت سے پہلے ہی قیامت کر دکھائیں گے

مئے الفت سے دل سرشار ہونے دو

نگاہِ یار سے پتھر توڑ دکھائیں گے

دنیا سکڑ کر سما گئی خیالوں میں

تخیّل کے گارے سے ہوا محل بنائیں گے

وقت کی ریت پر نقش چھوڑ جائیں گے

دلِ ناکام کے قصے سدا ہم سنائیں گے

شبِ غم سحر آشنا ہوگی سوچتا ہوں میں

کسی تارے کو ڈوبتے جو دیکھتا ہوں میں

آتی ہیں یاد وہ وحشتیں وہ آہ وفغاں

تنہا تنہا رات کو یوں روتا ہوں میں

جمالِ یار کی ضیا سے روشن ہے کائنات

دلِ غافل کو تیرگی میں جھنجھوڑتا ہوں میں

روئے رنگیں کی کشش سے بچ پائے کون

دامنِ صبر کو پھسلنے سے روکتا ہوں میں

پوچھیں احباب شغف کیوں شاعری سے

ہر غزل میں تیری تصویر دیکھتا ہوں میں

مقیدّ نہیں حرم و دیر میں بندگی میری

ہر شئے میں ترا جلوہ دیکھتا ہوں میں

التفات سے کم ہوئیں ہیں وہ شوخیاں
زلفوں کو تیری چھیڑ کے دیکھتا ہوں میں

گھنے کالے ابر سے آفتابِ جہاں تاب
ظلمت کدے سے دمکتا دیکھتا ہوں میں

غم سے نجات پائی، تو ڈھنگ ہی بدل گئے
نئے اک رنگ میں سب کو دیکھتا ہوں میں

میخانہ ہستی کے افکار مجھ سے ہیں

عشق و مستی کے اسرار مجھ سے ہیں

غمِ راہ لئے چلے ہیں ساتھ ساتھ

گلشنِ دہر کے کاروبار مجھ سے ہیں

ہونگے یہ اشارے سمجھنا بہت آساں

بزمِ رنداں میں دشوار مجھ سے ہیں

چلا تو ہوں ہاتھ میں مصلٰے لے کر

یہ زمانے کے مئے خوار مجھ سے ہیں

کس کس در پہ نہ جبیں سائی کی

وقت کے یہ خدا لاچار مجھ سے ہیں

عالمِ ناسوت کے نت نئے نقش

لالہ زار وریگزار مجھ سے ہیں

انکے اک اشک سے آبدیدہ جہاں

آنسوؤں کے سمندر بیکار مجھ سے ہیں

جن وانس اک دوسرے کے عدو

ازل سے ہی برسرِپیکار مجھ سے ہیں

طرزِ منصورؒ پہ کفن باندھ نکلے

محبت کے رسن و دار مجھ سے ہیں

یہ خونِ آفریںؔ ہی لایا ہے رنگ

آنگن میں پھول وخار مجھ سے ہیں

اے زندگی!

اے زندگی تجھے پکار رہا ہوں میں

تیری کالی زلفوں کو سنوار رہا ہوں میں

پھول و خار، نور و نار بر سرِ پیکار

کہیں مسکراتی کلیاں کہیں اشکبار

کہیں ماتم ہے تو کہیں خوشیوں کی بارات

کہیں فلک بوس بنگلے ، کہیں خاک کے ذرّات

کوئی کہتا ہے دغاباز تجھ سی نہیں کہیں کوئی

تیری مدح کے قصیدے گا رہا ہے کہیں کوئی

تو چلی جاتی ہے کر کے ہمیں شکار

قتلِ معصوم کیا تو نے بار بار

تیرے طوفانوں سے ٹکرا کے ٹوٹ چکا ہوں

قافلہ حیات سے پھر چھوٹ چکا ہوں

پوچھتا ہوں تجھ سے کیا ہے میرا قصور

سوکھے پتے کی طرح بیٹھا ہوں تیرے حضور

باغِ بہشت سے اتر کے کیوں آگیا ہوں میں

سب کھو کے یہاں کیا پا گیا ہوں میں

کارگاہِ حیات میں کیوں ہارتا ہوں میں

ہستی کا کبھی پاؤں جو پسارتا ہوں میں

یوں زندگی کا لطف اٹھائیں ہم
اک پل میں جہاں گھوم آئیں ہم
بھلا کر اپنی ہستی کو اے دوست
تیری آنکھوں میں ہی کھو جائیں ہم
تو مجھ سے ہو اور میں تجھ سے
اک ایسی رسمِ الفت چلایں ہم
ایک ہی منزل کے شریک سفر
جز اسکے ہر بات بھلائیں ہم
گر اسے دیکھنا ممکن ہی نہیں
من کی آنکھ سے ہی دیکھ آئیں ہم
وہ چلیں تو راستہ ہی مہک اٹھے
اب کیا اس کی پہچان بتائیں ہم
مہکتی زلفوں کے سائے میں آفریںؔ
چلو پھر دو گھڑی ہی سو آئیں ہم

نقشِ پائے یار سراغ کچھ کم نہیں
چلتے رہیں سدا منزل کا غم نہیں
کس مقام عشق سے ہے گزر تیرا
دل روئے خون آنکھ پرنم نہیں
یہ جو سجائی ہے خوابوں کی دنیا
قیامت آ بھی جائے کچھ غم نہیں
وہ اٹھے بھی، سمبھل نہ سکے
جس غازی پہ تیری نگاہِ کرم نہیں
انکی توجہ سے خزانِ دل میں بہار
جز ان کے دل کو راحتِ ارم نہیں
تصنع نہ شوخیاں وجودِ ناز میں
قدِ رعنا میں انکے پیچ وخم نہیں
ڈوب چکے ہیں غم کی طغیانی میں
دامنِ یار ہاتھ میں کچھ غم نہیں

جاں دے کے بھی غیر ہی ٹھہرے

ہم لاکھ وفا کریں لائقِ کرم نہیں

عجب خمار بے خودی سی ہے

لذتِ زیست سے آشنائی سی ہے

کس کس کو پھریں ہم مناتے

اک زمانے سے دشمنی سی ہے

روشن کوٹھیوں میں بسر کرنے والو!

کیوں یہ آنکھوں میں نمی سی ہے

لبوں پہ پھر وہی مہرِ سکوت

بات میں کوئی بات دبی سی ہے

سیاہ آنکھوں میں تیرِ نیم کش

ہونٹوں پہ قاتل ہنسی سی ہے

سراپائے یار ہے غزل نگار

مست آنکھوں میں شاعری سی ہے

گم ہے عالم جلوہ حسنِ ازل میں

آگہی کے حجابوں میں دلکشی سی ہے

جگمگا اٹھی ہے دل کی دنیا آفریںؔ

پیرِ مغاں کی نظر میں روشنی سی ہے

نہ چراغوں میں روشنی، نہ رات ہی چھائی تھی

تشنہ لبوں کیلئے وہ جام قبر میں مسیحائی تھی

ہم تو گزرے ہیں بارہا شبستانِ وجود سے

عنبریں زلفوں کے فسوں سے پائی ہم نے رہائی تھی

برسنے لگا فلک سے خون، اب بھی سنوں آہ وفغاں

کسی شہرِ خاموشاں سے اک دیوانے کی صدا آئی تھی

حسن کے لالہ زاروں میں، پھولوں میں مہک نہ ڈھونڈ

اسی شہر کے وفا شعاروں نے وہ رسمِ دغا چلائی تھی

شمعِ زیست بجھانے سے، مداوا نہ ہوا زخموں کا

ہوئی اپنی حالت کیا سے کیا، ہونٹوں پہ دعا آنی تھی

آنکھوں سے برستے انگارے، سینے میں گو دل ہی نہیں

شعلے اور شبنم کی رنجش کچھ تیری میری کہانی تھی

تیرے شہر کی گلیوں سے گزرے، اک اور ہی یہ دنیا ہے

وہ مرنے لگے یاں اوروں پر، جسے موت کبھی نہ آنی تھی

ڈھوبنے لگے گر سفینہ تیرا، کود پڑو ان لہروں میں

عشق کے اک دیوانے نے کیا بات تجھے سکھائی تھی

التجا

میری صدا کو تیری عطا کا ساتھ ہو   خالی ہاتھ کو جود و سخا کا ساتھ ہو

جنّت و جہنم سے مجھ کو نہیں غرض   میرے ہر عمل کو تیری رضا کا ساتھ ہو

یہ عاصی بھی پی لے مئے عرفان   گر تیرے کرم، جود و سخا کا ساتھ ہو

ہوائے نفس نے پھر پشیماں کیا   عفو کرنے والی عطا کا ساتھ ہو

وصالِ یار کے خواب ہم نے دیکھے   رستہ کھولنے والی مژدۂ دیرپا کا ساتھ ہو

ڈوب چکا ہوں غموں کے بھنور میں   دستگیری کرنے والے پیشوا کا ساتھ ہو

دیدہ ٔ بے خواب، راہ دیکھتی رہے   اب تو دیدارِ حسنِ دلربا کا ساتھ ہو

ذکر میں لذت نہیں، نہ نمازوں میں سرور   پر سکون و پر بہار پیاری صدا کا ساتھ ہو

کم ظرف نہیں کہ طلب چھوڑ جائیں   حوصلہ دینے والی ٹھنڈی ہوا کا ساتھ ہو

جگمگا اٹھے جنہیں روشن کیا تو نے   تاریک حجر میں نور و ضیا کا ساتھ ہو

نہ اندازِ طلب، نہ سلیقۂ بندگی   عفو درگزر جود و عطا کا ساتھ ہو

مشتاقِ دید کو پھر غیر کی پروا نہیں   گر ہر قدم نورِ لِقا کا ساتھ ہو

پھیلے ہیں دامِ ہوائے نفس چار سو   تحفظ دینے والی، چشمِ باحیا کا ساتھ ہو

لن ترانی سنتے رہیں عاشق کب تلک   نحن ُ اقرب کی صدائے جانفزا کا ساتھ ہو

سوزِ رومیؒ، سازِ غزالی ہو نصیب　　　دولتِ دیدارِ حسنِ مصطفےٰ کا ساتھ ہو

نورِ جیلانی سے منوّر ہو یہ دل　　　سرشار کرنے والے پیشوا کا ساتھ ہو

شاہِ ہمداںؒ پیرِ وادئ گلپوش　　　تقدیر ساز نظرِ سحر کُشا کا ساتھ ہو

مخدوم حمزہؒ کی پاک آہوں کے طفیل　　　توجۂ خاص جود و عطا کا ساتھ ہو

نور الدّینؒ کے نور سے نورانی کر　　　بھٹکے دِلوں کو نور الھدیٰ کا ساتھ ہو

سنت ہو ان کی اپنا اوڑھنا بچھونا

آفریںؔ کو ہر جگہ شہِ بطحاؐ کا ساتھ ہو

جہاں نورِ ازل ہے بے حجاب تیرا ہی در ہے

یونہی نہیں دہلیز پہ سجدوں میں یہ سر ہے

چہرے کی ضیا سے ظلمت چاک ہوئی

کس قدر نورانی تیرے چہرے کی سحر ہے

بجلیوں سے سوختہ، کتنے آشیاں دیکھوں

کتنی باحشمت و پرجلال تیری رہگزر ہے

کامل کی مئے کشی، بھٹکوں کی دستگیری کرے

ناقص کے ہاتھ میں، جامِ حیات بھی زہر ہے

وہاں کا قصد ہے تو یہیں سے رخت باندھ

حرمِ شیخ سے ہی ، میکدے کی رہ گزر ہے

شوقِ دید ہے جمالِ یار بے نقاب

یہی تو جنت ہے ہر کسی کو خبر ہے

سوغاتِ عاجزانہ بارگاہ میں ہو قبول

پیش از طرفِ رنداں، خونِ جگر ہے

خود کو بھُلا بیٹھے، خودشناسی کے سفر میں

یہ کون سا ہے میکدہ، کس جام کا اثر ہے

نعت

جب تک ہے دم میں دم، نعتِ نبی سناتے رہیں گے
حریمِ دل کو خاکِ طیبہ سے سجاتے رہیں گے
گلشن ِ ہستی پہ چھائیں گے بادل بن کے ہم
ذکر حبیب کے گلستاں مہکاتے دکھاتے رہیں گے
آنکھوں سے دیکھ نہ پائیں جو چہرۂ زیبا
پیارے تذکروں سے دل کو بہلاتے رہیں گے
شب ظلمت میں جب راہ نہ سلجھے
مہ کامل سے بھٹکے رستے پاتے رہیں گے
اہلِ دول کے ٹھاٹھ بھر لبھا نہ پائیں گے
مدینے کے منظر جہاں کو دکھاتے رہیں گے
غم ہستی سے رہائی گر ممکن نہیں آفریںؔ
یادوں کے گلشن سے دل کو بہلاتے رہیں گے

تیرا یہ رنگِ خوشنما کس کس کو بھاتا نہیں

پر کیف نگاہوں کا نشہ کس کس پہ چھاتا نہیں

وہاں حسنِ لازوال،ساقی اور جام بھی ہے

اک بار آنے والا کبھی لوٹ آتا نہیں

مجمع البحرین بھی ہو خضر کا مقام

نظرِ موسیٰ ؑ سے بچ پاتا نہیں

خارِ خشک ہوں، رونقِ گلاب ہے مجھ سے

دامن پہ داغ بن کے رہنا مجھے آتا نہیں

ہوں وہ بلبل، گلشنِ راز جس کی رہگزر

زاغوں کی سنگت میں رہنا مجھے آتا نہیں

روئے ہیں ہم بھی تیری فرقت میں خون

رقیبوں کی طرح دکھاتے بھرنا ہمیں آتا نہیں

خیابانِ حسن پہ کبھی بہار تو کبھی خزاں
سرمدی یادوں کا گلشن کبھی مرجھاتا نہیں

خدا میرا، ہر اک وجود میں ہویدا مگر
انفس وآفاق میں ڈھونڈنا مجھے آتا نہیں

خیابانِ حسن میں کتنے گل ہیں آفریںؔ
گُلِ لالہ کے سوا تجھے کچھ بھاتا نہیں

دل شوق میں روتا ہے آنکھ بھر آتی ہے
روشن محبت پہ جب سیاہ رات چھاتی ہے
روئے نہ جس کا دل اُسے بھی رلائے
زباں پہ میری ہجر کی وہ بات آتی ہے
پاتے ہیں جب عالمِ رنگ وبو کے سراغ
تصوّر کے بھنور سے تصویر اُبھر آتی ہے
دردِ دل نے کہلوائی ہم سے جو داستاں
بازگشت اسی کی دل کے تار سے آتی ہے
دامِ گیسو میں ہم کہاں پھنسنے والے تھے
گردشِ ایّام عجب رنگ دکھاتی ہے

شبِ ہجر کی یا رب کیوں سحر ہوئی نہیں

طلبِ دید میں یہ آنکھ کیوں روئی نہیں

کتنوں کے محل آسماں چھو گئے

کتنوں کے نصیب میں جھونپڑی نہیں

الجھے تصورات سے جان کیسے چھوٹے

صورت اس نے اپنی دکھائی نہیں

خدا کے متلاشی بتوں میں نہ اُلجھ

فطرت کی صناعی ہے نمودِ سیمیائی نہیں

لوحِ دل پہ نقش ہے بس وہی نامِ

جز اسکے آنکھوں میں کوئی تصویر آئی نہیں

ہر طرف سیاہ رات بادل کالے تھے
گونجتے گرجتے ندی نالے تھے
اظہارِ محبت ہو بھلا کیسے
پڑے ہونٹوں پہ کتنے تالے تھے
مت پوچھ کیا بیتی رہِ عشق میں
پاؤں میں نہ جانے کتنے چھالے تھے
قسمت کے اندھیرے لے کر کہاں جاتا
پھیلے ہر طرف اجالے ہی اجالے تھے
دنیائے عشق میں خموشی ہے زباں
راز و نیاز کے یہاں بس اشارے تھے
دامنِ یار تھا ہاتھ میں تو دنیا تھی
جو بھی تھے مگر خواب وہ سہانے تھے
کبھی ہم سے ملے تو کبھی رقیب سے
پوچھا تو پاس کتنے بہانے تھے

ایسا لگے مجھے ہی نگل نہ جائیں

کتنے بیانک غاروں کے دہانے تھے

شمعِ حسن نے روشن کیا رقیب کو

جان دینے والے تو پروانے تھے

بولیں تو دل کھول کے رکھ دیں

جو خاموش رہیں تو اشارے تھے

نعت

دیارِ حبیب میں بسر صبح و شام کرتے

آنکھوں ہی آنکھوں میں ہم کلام کرتے

خرد کی گتھیاں تو ہم سُلجھا چکے

عشقِ مصطفےٰ کو ہم اپنا امام کرتے

جب بھی تیری یاد طیبہ ہمیں لے جاتی

تجھ پہ درود پڑھتے تجھے ہی سلام کرتے

اس سے پہلے کہ شمعِ زیست ہماری بجھے

ہم اپنی یہ زندگی تیرے ہی نام کرتے

صلِ علیٰ کے نغمے ہم سدا سناتے

کتاب و سنّت کی روشنی کو عام کرتے

حرم کی فضاؤں میں ہوتی ہماری صبح

سبز گنبد کی چھاؤں میں اپنی شام کرتے

عالمِ خواب میں اک بار ہوں جلوہ گر

ذکرِ حبیب پہ نثار ہم اپنا آرام کرتے

لحنِ داوٗدی ٗ قدسیوں کو ہو عطا

تیری عظمت کا چرچہ ہر خاص و عام کرتے

لب پہ جس کے ہر دم حرفِ دعا ہی آیا

اسی سے عرض اپنی حسرتِ ناتمام کرتے

آرزوئے آفریں ؔ ہے مدینے میں ہو قیام

نیچی بھیگی پلکوں سے ہم سلام کرتے

تیری یاد بھلا دے ہم سے ایسا یہ دل نہیں ہے

خود ہی کو بھول جائیں ہاں یہ مشکل نہیں ہے

چاروں طرف دیکھا کوئی ہمسفر نہیں

ایک ہی سب کی راہ ایک ہی منزل نہیں ہے

اس اندھیر نگری کے سب رنگ بے ڈول ہیں

یہاں کوئی چارہ ساز، صاحبِ دل نہیں ہے

اسرار قلب و نظر سے کس نفس کو آشنا کریں

یہاں کون ہے جو مہ کامل نہیں ہے

دامنِ رحمت سے سمیٹو بکھرنے سے پہلے

اک اشک بھی گرے ، کچھ حاصل نہیں ہے

تیرِ نگاہ نے اس کی ، بسمل کر کے چھوڑا

زمانہ سمجھے ہے کہ وہ قاتل نہیں ہے

حسن ِ ازل کا جلوہ، روشن تیری جبیں میں

ہے خمیرِ نور تیری ، آب و گل نہیں ہے

طلب سے تجھ کو پانا، پاکر نہ دیکھ پانا

مشکل اک یہی ہے کہ یہ مشکل نہیں ہے

چاند سے ملنے کی تیاری کرو آفریںؔ

ستاروں میں اب تیری منزل نہیں ہے

یہ تو سفرِ عشق ہے یہاں سوچا نہیں کرتے
پہنچ کر منزل پر قدم روکا نہیں کرتے
تیری اک نگاہ سے، ہوئی جس کی کایا پلٹ
اجالوں کے داعی اسے مائل نہیں کرتے
گردوں سے اُتر آئے بصورتِ شبنم
تزئین کے خواہاں، تجھے میلا نہیں کرتے
تیرے نصیب کی خلعت کسی اور ہی نے پہنی
الجھے بکھرے پنوں کو کبھی جوڑا نہیں کرتے
پتھروں کے سودائی، شیشوں کے مسیحا بن بیٹھے
گھروندے توڑنے والے، دل جوڑا نہیں کرتے
قلب ونظر کی صورت، نئے افکار سے مزیّن ہو
جو نئے پرانے بن جائیں، انہیں چھوڑا نہیں کرتے

آندھیوں سے نکل کر، جنکی حیات روشن ہوئی

امید کے ان چراغوں کو کبھی بجھایا نہیں کرتے

تیرے بارے میں سوچنے والا یہاں کوئی نہیں ہے
موت بھی تیری چاہنے والا یہاں کوئی نہیں ہے

تم ہی تو بانٹ لیتے ہو، غموں کے پہاڑ
سرمایۂ رنج وغم خریدنے والا یہاں کوئی نہیں ہے

خود ہی پڑھے شعر اپنے، خود ہی سے لی داد
تیرے سخن کا سراہنے والا یہاں کوئی نہیں ہے

مایوسی کے عالم میں جہاں سے چل دئے ہو
قدم سوئے دار روکنے والا یہاں کوئی نہیں ہے

دل کے بھیدوں کو دل ہی میں دفن کردے
اشاروں کو سمجھنے والا یہاں کوئی نہیں ہے

پل میں ویراں کر گیا، چمنِ شوق کو بلبل
ماتم بھی منانے والا یہاں کوئی نہیں ہے

طغیانی غضب کی ہے، نا خدا بھی کیا کرے
ہواوں کا رخ موڑنے والا یہاں کوئی نہیں ہے

زلفِ حیات سنوارے، مہکائے شام و سحر
ایسی پیشوائی کرنے والا یہاں کوئی نہیں ہے
خونِ جگر سے سینچا، چمنستانِ دہر کو
سوغاتِ وفا دینے والا یہاں کوئی نہیں ہے
بت کی تلاش میں ہیں، حرم کے سپاہی.
خدائے حرم کا چاہنے والا یہاں کوئی نہیں ہے
مہرِ سکوت توڑو، اک تبسم سے آفریںؔ
دلِ مضطر کی سمجھنے والا یہاں کوئی نہیں ہے

پا بھی نہ سکوں،تو بھلا نہ سکوں گا کبھی

یادوں نے زخم دئے چھپا نہ سکوں گا کبھی

حالات تو سمجھئے، مجبورِ وقت ہیں ہم

تقدیر کا بنایا، مٹا نہ سکوں گا کبھی

تصویرِ یار سے ہے، سارا سخن ہمارا

جز اسکے کوئی صورت بنا نہ سکوں گا کبھی

کوچے سے تیرے گر نہ گزر ہو امشب

میں کاغذ کے گل کھلا نہ سکوں گا کبھی

داستانِ فرقت، کہتا ہوں جو تم سے

کسی اور کو یہ قصے سنا نہ سکوں گا کبھی

گھائل کر دیا ہے تیرِ نظر نے ہم کو

دل کی یہ آپ بیتی سنا نہ سکوں گا کبھی

میرا نام مٹ جائے گا لوحِ مزار سے

تیرا نام دل سے مٹا نہ سکوں گا کبھی

اس بار بھی ہوئی نہ عنایت کی اک نظر

سوئے ہوئے نصیب کو جگا نہ سکوں گا کبھی

پلاؤ خوب، نرگسی آنکھوں کا جام

شاید پھر حوش میں آ نہ سکوں گا کبھی

تم مجھے بھول بھی جاؤ مگر آفریںؔ

تمہاری باتوں کو بھلا نہ سکوں گا کبھی

تنہا دل اندھیروں کا سفر ہے

یہ حال ہمارا زندگی بھر ہے

سب تو جاتے ہیں دنیا سے

کیا پتا کس کی کیا خبر ہے

کوئی ہنسے کوئی روتا ہے

کتنا عجیب یہ تیرا شہر ہے

کیوں نہ روکا قتل سے پہلے

یہ الزام بھی تیرے سر ہے

ہر لمحہ صدا دیتا ہے تمھیں

زندگی پہر دوپہر ہے

حرم و دیر پہ جھگڑنے والو

اس کی جلوہ گاہ حجر و شجر ہے

خرد کہتی ہے بے وفا انہیں

دلِ ناداں تو بے خبر ہے

کانٹوں کی سیج پہ ہنستے رہنا
کتنا کٹھن زندگی کا سفر ہے
اپنے آپ میں دنیا بسائے
اس شہر کا ہر بشر ہے
حسنِ جاناں کی مدح کرنا
یہی وظیفہ شام و سحر ہے
صبح بن کر آو زندگی میں
ہمیں انتظار رات بھر ہے
جیت پہ خوب چراغاں ہوا
کسے پتا جلا خونِ جگر ہے
جہاں جھکنے میں زلت نہیں
بس خدائے واحد کا در ہے

ہم نے بچھائی پلکیں وہ کیوں نہیں آئے

خود سے کی ہیں باتیں وہ کیوں نہیں آئے

اندھیرے میں تنہا بیٹھا ہوں آس لگائے

روشن ہوتی یہ راتیں وہ کیوں نہیں آئے

احوالِ غم، عرضِ شوق، نہ جانے کیا کیا

کرنی تھیں کتنی باتیں وہ کیوں نہیں آئے

عمرِ رواں بتائی تیری راہ تکتے تکتے

منتظر ہیں میری آنکھیں وہ کیوں نہیں آئے

جس پہ سایہ فگن ہوئیں زندگی مہکا گئیں

وہ زلفِ عنبریں وہ کیوں نہیں آئے

سرمگیں آنکھیں، عنبریں زلفیں، روئے رنگیں

ہر ادا میں قیامتیں وہ کیوں نہیں آئے

کتابِ زندگی ہم پڑھ لیتے آفریںؔ

منوّر ہوتی یہ آنکھیں وہ کیوں نہیں آئے

بر سرِ دار تیرا نام پکار رہا ہوں میں

غموں کی برسات میں مسکرا رہا ہوں میں

تنہائی میں سورج کے آگے سرِ شام

گزرے ہوئے دنوں کو بھلا رہا ہوں میں

غم کی سیاہی جن سے چھٹنے کو ہے

اَن سنے وہ نغمے سنا رہا ہوں میں

شیخِ حرم بھی جس کی جھلک کو ترسے

دل کے دریچوں سے دکھا رہا ہوں میں

شوقِ دید میں تب،آنکھیں چمک رہیں تھیں

اب آنسوؤں کے دریا بہا رہا ہوں میں

بد دل ہو چکا ہے، نام و نمود سے دل

بیا بان و کھنڈر میں گھر بنا رہا ہوں میں

گلمرگ

گلمرگ کی ٹھنڈی فضاؤں میں ہر گل تاریخ ساز

سر سبز وادیوں کو جہاں نما ہونے پہ ناز

کہیں برف پوش چوٹیاں، کہیں چشمے ابل رہے ہیں

فطرت کی جلوہ طرازیاں محوِ خرامِ ناز

سر سبز پیڑ پودے، یہ حسیں نشیب و فراز

نسیمِ صبح ان سے گزرے عجب سوز و ساز

آئینہ جلوۂ ہرجائی کا ہر ذرہ پکارے

فطرت کے آگے جھکنا ہے اہلِ دل کی نماز

سورج کی روشنی میں، جگمگاتے خاک کے ذرات

سنہرا زلفوں سے ڈھکا چہرۂ مۂ ناز

وہ چہرے تصور میں چلے آتے ہیں یہاں

دید میں جن کی پنہاں کتابِ زندگی کا آغاز

مخملی سبز فرش پر یہ موتیوں کی بارش

انہی کی ضیا پاشی سے محبت میں سوز و گداز

انہیں کی جستجو میں نکلے حرم و دیر سے

بن جائے وہ ارم، پڑے جہاں وہ قدمِ ناز

یہاں کی مست فزاؤں میں انہیں کی خوشبو

ہر پھول میں بو جس کی، جن پہ تمہیں ناز

ہر ذرے میں نظر آئے وہی جلوۂ ہرجائی

چشمِ پرنم سے ایسے دیدِ حق کر و امتیازؔ

نرگسی آنکھیں دل کی زبان ہوتی ہیں

حدیثِ یار کی یہ ترجمان ہوتی ہیں

اک رستے میں پنہاں ہزاروں منزلیں

محبت کی راہیں کب آسان ہوتی ہیں

دِکھتے ہیں عریاں میکدے میں سب ملبوس

آنکھیں دیکھ کر جنہیں حیران ہوتی ہیں

اندھیروں میں روشنی لاتی ہیں نگاہیں

جو سنگِ درِ یار پہ قربان ہوتی ہیں

خود ہی کو ہم راہ و ہمسفر بنالے

کاروانِ شوق کی راہیں سمسان ہوتی ہیں

بکتے ہیں ہر آن جو بازارِ حسن میں

کتنی قیامتیں ان پہ قربان ہوتی ہیں

برسوں کے دل جلے راحت سے آشنا ہوں

وہ آنکھیں جب کبھی مہربان ہوتی ہیں

تیری ہی امید، تیرا ہی انتظار ہے

سنہری یادوں سے یہ دل بے قرار ہے

قتل کرتے ہیں جانے کس غرض سے

مرتے نہیں ہیں عاشق انہیں اقرار ہے

قدِ رعنا، روئے رنگیں، قاتل نگاہ

سراپائے یار فطرت کا شاہکار ہے

مانوس ہے یہ دل بھی دعوئ رقیب سے

ترکِ تعلق کا کب انہیں انکار ہے

راہیں الجھ گئیں ہیں جہاں کے فریب سے

منزل پہ پہنچنا اب بہت دشوار ہے

جھوم اٹھے ہیں ہم تو گردشِ ایّام سے

وصل میں ہر خزاں اک نئی بہار ہے

فرطِ شوق سے مر نہ جائے آفریںؔ

کتنا پیارا انکھیوں سے الفت کا اظہار ہے

بادۂ عشق سے مدہوش ہیں ہم

ہوش پانے والے بے ہوش ہیں ہم

ہر سمت صدائیں کہ دل و جان حاضر

اب تو چارہ گر خاموش ہیں ہم

نقدِ جاں لے کے آئے ہیں بزم میں

اشارے پہ مر مٹے، سرفروش ہیں ہم

سرمدؒ و منصورؒ نے دکھائی راہِ فنا

سولی پہ چڑھ گئے روپوش ہیں ہم

اک دوسرے پہ جاری کفر کے ہیں فتوے

میخانے کے مکیں خاموش ہیں ہم

کان ترس رہے ہیں صدائے سحر کشا کو

اک نظرِ عنایت ہمہ تن گوش ہیں ہم

سانسوں میں ہے بسی تیرے پیرہن کی خوشبو

نظروں کو ہے اب تلک تیرے چہرے کی جستجو

ہر سو' جنوں نے تیری تصویر ہی دکھا دی

اسی رنگ سے ہے رنگیں عالمِ رنگ وبو

چشمِ عالم پہ چھائی ہے یہ کیسی ظلمت

سورج کی روشنی میں پھیلائے اس نے گیسو

اک نظرِ عنایت، اے جلوۂ بتانِ آزری

میں تو کر کے آیا ہوں خونِ دل سے وضو

آہ وفغاں سنوں میں گردوں سے بھی خدایا

شائد مچل رہی ہے یاں بھی کوئی آرزو

گلیوں میں پھرتے ہیں جو دیوانے دربدریوں

دکھائی دے انہیں بھی کوئی صورت ہوبہو

یہ جام پیتے ہی، جائیں گے لوٹ کر

کب سوچا تھا میں نے ان ہی کے روبرو

موت کے دائرے میں زندگی نظر آئی ہے

خدا کی تلاش میں بندگی نظر آئی ہے

یوں تو سیراب ہیں دریائے علم سے

پیرِ مغاں کو میری تشنگی نظر آئی ہے

مایوس ہو چلے تھے، بے رخی سے انکی

آنکھوں میں یوں پھر سے آمادگی نظر آئی ہے

عاشقوں کی سانسیں دیکھتے ہی لڑکھڑائیں

نادانوں کو ان میں سادگی نظر آئی ہے

ہر جانِ عزیز کو کسی طوفاں نے ہے گھیرا

بندھنوں میں جکڑی زندگی نظر آئی ہے

تمہیں تو بس ہمیں جانتے ہیں

کتنی بے داغ تیری زندگی نظر آئی ہے

گل کو رنگت شمع کو روشنی ملے
عقل کو ہوش، دل کو بے خودی ملے

پوچھتے ہیں کیا ملا کوچۂ عشق سے
پلکوں پہ سجانے کو کچھ موتی ملے

رہِ عشق کا ہے اک عجب دستور
موت چاہنے والوں کو زندگی ملے

نوازتے ہو گداؤں کو کرم سے اپنے
ہمیں ملکِ وجود کی سروری ملے

وہ شہسوار ہار کے بھی ہارتے نہیں
میدانِ عشق میں جنہیں ناکامی ملے

چھوتے ہی جنہیں زندگی بدل جاتی ہے
اے کاش ان لبوں کی ہمیں تشنگی ملے

وصل کے واسطے خرد کے ہیں سودائی
ہوش کے بدلے آفریںؔ بے خودی ملے

یاسر عرفات کی یاد میں

بزمِ انجم میں نمایاں اے ماہ تیری ضیا پاشی ہے
تیری زد میں ہیں افلاک گرچہ تو خاکی ہے
شبِ دیجور کی تاریکی نے تجھے جینے نہ دیا
صبحِ نور کی طلعت نے تجھے مرنے نہ دیا
چمکتے تارے ہیں جس طرح مہ کامل کے سامنے
حریّت کے متوالے آئے دامن تیرا تھامنے
آنسؤوں سے تر میرے مسجدِ اقصیٰ ہو جائے
جبینِ نیاز درِ مولیٰ کی عظمتوں میں کھو جائے
تیرے رخِ تاباں پہ وہی امید وہی انتظار تھا
مقصدِ عظیم کے واسطے دل اب بھی بے قرار تھا
مغرب کی فضا تیرا رخ موڑ نہ سکی
تاریخِ فلسطیں تیرا ثانی چھوڑ نہ سکی
ٹھوکرِ موسیٰؑ سے چشمے ابلے تھے جس طرح
تیری جہدِ مسلسل رنگ لائے اس طرح

اک گلِ کشمیر سے

بے رونق اس قدر کیوں ہو تم اے گلاب
کس نے پھاڑ ڈالی تیرے حسن کی کتاب
رات کو دیکھا جس نے تیرا حسن وجمال
گلگشت کو آنے والے نے کیا تیرا یہ حال
کرم ایسا جو کسی کو دکھائی نہ دے
طوفاں میں دیکھ اسے تم مسکرائے تھے
نرم و نازک سیج پہ تری آرام فرما ہوا
چھُپی دل لگی نے اس کی تجھے برباد کیا
فطرت نے بنایا تجھے اک مہکتا ہوا گلاب
جو روجفا نے کس کی کیا ہے تجھے خراب ؟

نقشِ کفِ پا ابھر آیا ہوگا
بنا بنا کے زمانے نے مٹایا ہوگا
کل وہی آئے گا نظر تنہا
جس نے محفل کو سجایا ہوگا
شاعری نہ آتی شاعروں کو
عنبریں زلفوں نے سکھایا ہوگا
گفتارِ شیخ میں تاثیر نہ ہوتی
آنکھوں سے کسی نے پلایا ہوگا
گھر تشریف لاکر تو دیکھیں
راہ میں پلکوں کو بچھایا ہوگا
حاکم نے بغاوت کے خوف سے
شمعِ امیدِ فردا کو بجھایا ہوگا
فرطِ حیرت سے مدہوش ہو گئے
خود کو آئینے میں دیکھا ہوگا
کیا کیا ہوگا واعظ نے آفریںؔ
بندوں کو خدا سے ملایا ہوگا

میخانۂ عشق میں ہر دل ہے بے قرار

غموں کے بھنور میں بے یار و مددگار

رُخِ جاناں سے نقاب الٹنے کی دیر ہے

رندوں سے فاش ہونگے دلوں کے اسرار

پیرِ مغاں کو ہے حرم آنے کی دعوت

نمازی بن نہ جائیں سبھی مئے خوار

جہاں بھی دیکھیں تو آئیں وہی نظر

ابھی بھی دل پہ شاید انہیں کا اختیار

جنہوں نے دیکھا نہیں کبھی ہماری جانب

ہمیں تو ہے ابھی بھی انہیں کا انتظار

فرحت سے جھوم اُٹھے زمانے کے اہلِ ہوس

دیکھے نہیں ہیں ہنوز محبت کے رسن و دار

خون جگر سے سینچا چمنستانِ سخن کو

خوں کی سیاہی سے لکھئے مرے اشعار

سونی اندھیری راتوں میں چلے آؤ

زندگی کی نحس ساعتوں میں چلے آؤ

راتوں کی تنہائی مار بن کے ڈستی ہے

قسمت چمکے باتوں باتوں میں چلے آؤ

فاش ہو نہ جائیں دلوں کے اسرار

میرے قلم میرے ہاتھوں میں چلے آؤ

کوئی کم ظرف دیکھ لے نہ تجھے

چھُپ کے سیاہ راتوں میں چلے آؤ

دلِ بے قرار کی کب تشنگی بجھے

ساون کی بھیگی راتوں میں چلے آؤ

اشاروں کی زباں کون سمجھے یہاں

اب خیالوں سے باتوں میں چلے آؤ

کل کا بنایا آج مٹایا ہم نے

یوں گزرے لمحوں کو بِتایا ہم نے

کہیں رنگ و نسل، کہیں ذات پات

کتنی دیواروں کو ہٹایا ہم نے

اک مالک کو دینا ہے گر حساب

کتنے خداؤں کو سنایا ہم نے

مٹ جائیں گے زمانے کے ہاتھوں

لوحِ مزار پہ لکھایا ہم نے

دامِ فریبِ حسن میں الجھے نہیں

کتنا زلفوں میں پھنسایا ہم نے

تقرب کا رستہ کچھ آساں نہ تھا

دل سے ہر نقش کو مٹایا ہم نے

خیالوں کی دنیا میں دھواں دھواں سا ہے

ہر پل اشکوں کا سمندر رواں رواں سا ہے

بڑھا بڑھا کے گٹھا کر اپنا وجود

چاند فلک پہ پیہم رواں دواں سا ہے

کتنی راہیں ہیں اور کتنے یہ قافلے

ہم جائیں کہاں سامنے آسماں سا ہے

دیکھ کر قدم رکھیو ، یہ عشق کی ہے راہ

موسم بھی مست ، دل بھی جواں سا ہے

برسوں کی تلاش سے دریافت یہ ہوا

تصویر میں تصور وہم وگماں سا ہے

زندگی جیسی سنی تھی کچھ کم ہے

ہر خوشی میں پنہاں کوئی غم ہے

گھر سے نکلے تھے شوریدہ خاطر

احساسِ تنہائی کیوں دم قدم ہے

وقت ِ سحر بھی اپنی زباں نہ کھلی

بن مانگے وہ نوازے کیا کرم ہے

عالمِ تصور میں کہاں کہاں نہ پہنچے

جاگے ہاتھ میں قلم،چشم پرنم ہے

غبارِ راہ میں چلے ہم تو عمر بھر

کتنی پرکیف دنیا پُرپیچ وخم ہے

درد کو سمجھیں جو خود ہوں اہل دل

انہیں کا دل تو آشنائے غم ہے

یہ رسمِ جدائی ہے ناگوار مجھے

دلِ منتظر کا ہے انتظار مجھے

تو نہ آیا، نہ آئے گا کبھی

تیرے وعدے کا یونہی اعتبار مجھے

پل بھر میں غضب ڈھاتی ہیں

ہے ایسی آنکھوں سے کاروبار مجھے

مر کے بھی تیرے پاس آؤں

میرے ہمراہ دل سے پکار مجھے

افلاک پہ چرچے میری عظمت کے

جسمِ خاکی نے بنایا خاکسار مجھے

جو بِن دیکھے مرا دل لے بیٹھے

دیکھنے دے انہیں ایک بار مجھے

یہ نہ ممکن بھلا دوں میں اسے

دل پہ نہیں کچھ اختیار مجھے

جو مرے جسم وجاں میں شامل

اس ہمسفر کا ہے انتظار مجھے

نہ صبح کہیں نہ کہیں شام ہو

دید کے سوا نہ کوئی کام ہو

تھک کے چوُر ہوئے چلنے والے

زیرِ زمیں میسر کبھی آرام ہو

زندگی پائی ہے مر مر کے

سیر آفاق کی ہم سے انجام ہو

نصیب پل میں بدلے عالم کا

ہاتھوں میں گر وہی جام ہو

آئینۂ دل ٹوٹا ہے اک توجہ سے

کام نظر کرے پتھر بدنام ہو

بادِ صبا نے کل گُل سے یہ کہا

تیری خوشبو ہی تیرا پیغام ہو

نور کی برسات

نور کی برسات ہے قدم قدم
ڈھونڈے سکوں مری چشمِ پرنم
برفیلی سفید وادیوں میں کوئی نہیں
دل کی اجھڑی یادوں میں کوئی نہیں
جہاں بھی دیکھئے یہی نور کی برسات
خدائے حسن کی ہے حسیں سوغات
ٹھنڈ میں بھی دل جل رہا ہے
چشمِ تر میں طوفاں مچل رہا ہے
کہرے نے نظر سے دنیا کی مستور
تنہائی میں عاشق بر سرِ کوہِ طور
دھمکتی دنیا میں ہمراہ کوئی نہیں ہے
راہِ فرار پہ چلنے والا کوئی نہیں ہے
اندھیروں کے سایے میں جو نہاں ہوئے
دل کے پنہاں راز اب تو عیاں ہوئے

یہ سما، یہ مستی، یہی بے خودی ہو

فکرِ فردا سے آفریںؔ ہستی میری بَری ہو

پیکرِ نور کہوں، نرگسِ شہلا کہوں

گُلِ خوش رنگ ،میں تو سدا کہوں

پھولوں کی تازگی میں جیسے بسی مہک

خود سے جُڑا بھی،خود سے جدا کہوں

جسے دیکھ بے ساختہ،یہ جبیں جھکے

اسی کو ہی میں مالک و مولٰی کہوں

عاصیوں کو جس نے رحمت سے نوازا

اس کو کرم کہوں جود و سخا کہوں

شبِ غم، تنہائی، مار ڈالے آفریںؔ

دونوں مرے رفیق کس کو برا کہوں

ہر زباں پہ زندہ نام رہ گیا

کوئے عشق میں جو بدنام رہ گیا

دیکھا جس نے انہیں ایک بار

اس کا ہر جام ناتمام رہ گیا

ہر ملاقات پہ دل بسمل ہوا

دمِ خنجر پہ اپنا آرام رہ گیا

ان کی دید ہوئی درونِ میکدہ

تھراتے ہاتھوں میں جام رہ گیا

وقتِ دیدار ہی آنکھ کھل گئی

برسوں کا انتظار ناتمام رہ گیا

غور سے دیکھا تو معلوم ہوا

جو بنا تھا کامل خام رہ گیا

موت روک نہ پائی معاشقوں کے قدم

زندگی تو مٹ گئی، پیغام رہ گیا

جنہیں بھلانے کے لئے، راحتیں چھوڑیں

انہیں کا خیال صبح و شام رہ گیا

جامِ محبت

محبت سے کڑواہٹ بن جاتی ہے شیریں

محبت سے لوہا بن جاتا ہے سونا

محبت سے تلچھٹ ہو جاتی ہے صاف

محبت سے درد بن جاتا ہے دوا

محبت سے پھول بن جاتے ہیں کانٹے

محبت سے پانی بن جاتا ہے شراب

محبت سے سولی بن جاتی ہے تختِ شاہی

محبت سے موت بن جاتی ہے زندگی

محبت سے زنداں ہو جاتا ہے چمن

محبت سے آگ ہو جاتی ہے گلزار

محبت نہیں تو صحرا ہے چمن

محبت کے رنگ سے ہی رنگیں گلستانِ وجود

محبت سے آگ بن جاتی ہے نور

محبت سے زن بن جاتی ہے حور

محبت سے پتھر سے ابلتا ہے پانی

محبت سے لوہا بن جاتا ہے موم

محبت غم کو بنا دیتی ہے خوشی

محبت سے چور بن جاتا ہے ہادی

محبت سے ڈنک بن جاتا ہے شہد

محبت سے شیر بن جاتا ہے چوہا

محبت سے مردہ ہو جاتا ہے زندہ

محبت سے بد صورتی ہو جاتی ہے حسین

محبت درد بھی دوا بھی ہے

محبت عیش بھی سزا بھی ہے

محبت تاریک، روشنی بھی ہے

محبت ہوش ،بیخودی بھی ہے

محبت بندگی، خدا بھی ہے

محبت نفع، جوا بھی ہے

محبت سے زندگی میں راز و نیاز

محبت سے روشن نشیب و فراز

محبت سے سلوک میں نفی اثبات

محبت سے مرگ بن جاتی ہے حیات

محبت سے اجالوں کو مل گیا ثبات

محبت ہے خوشیوں کی بیش بہا سوغات

تیرے تصور نے تیرے جلوے دکھا دئے

بیچ کے پردے پل بھر میں اُٹھا دئے

کبھی گزر میرا حرم و دیر سے ہوتا تھا

خودشناسی کے جنوں نے رستے بھلا دئے

دل کی تنہائی پکارے تجھے اے سرود

خاموشی نے شب بھر قصے سنا دئے

یادیں ہی خوں رلاتی تھیں ہمیں

نسخہ ہائے جفا ہم نے جلا دئے

دریائے آتشیں میں کیا تشنگی بجھے

تلاطم خیز موجوں نے پیاسے بہا دئے

روئے رنگیں سے ہے آراستہ جہاں

نرگسی آنکھوں نے اسکی جام پلا دئے

سوئے پڑے تھے خواب آنکھوں میں

جلوہ دکھا کے اپنا تو نے جگا دئے

صدیوں کے سفر کو لمحوں میں طے کیا

یادوں نے اس کی آفریںؔ فاصلے گھٹا دئے

اک حسیں دنیا ہے مرے آگے

میرا سایہ کہاں ہے مرے آگے

پیچھے مڑ کے جو دیکھتا ہوں

دریا سا رواں ہے مرے آگے

سر سبز پیڑ پودے یہ پری محل

اک اور ہی جہاں ہے مرے آگے

اڑتی پریاں رقصِ جاں میں محو

ہر دل جواں ہے مرے آگے

حواس اپنے کھو نہ دے آفریںؔ

مست سا سما ہے مرے آگے

جل جل کے بجھے انگارے مرے دل کے

ڈوبنے لگے سارے سہارے مرے دل کے

پیرِ مغاں کی سنگت میں جمی آئے چار دن

سمجھ پائے کون اشارے مرے دل کے

ظلمت کدے سے تو نے پردے اُٹھا دئے

اندھیروں میں کھو گئے اجالے مرے دل کے

چارہ گری سے تیری ، تڑپ اٹھے ہیں ہم

چھونے پہ جل اُٹھے چھالے مرے دل کے

حرم و دیر میں بھی سکوں نہیں ملتا

سنے وہاں کون بہانے مرے دل کے

ناز و ادا سے جو کل دیکھا ہمیں

کھلنے لگے آفریںؔ تالے مرے دل کے

ظلمات کے مسافر نے کیا بات کہی ہے
حرم و دیر کی فضاؤں میں روشنی نہیں ہے

جس نام کو جپتے جپتے گرتے ہیں پتّے
پنہاں سانسوں کی مالا میں وہی ہے

نگاہِ ہوشربا دلوں کو روندتی چلے
انہیں سے امیدِ مسیحائی بھی صحیح ہے

آنکھ کو ملے آنسوں، دل کو بیقراری
سبھی کہلائیں ستمگر تو مگر نہیں ہے

ہزار الجھنوں میں الجھی ہے حیات
جینے کے واسطے موت، زندگی نہیں ہے

در و دیوار کانپ اُٹھے آہِ معصوم سے
جو دلوں کو توڑے پتھر تو وہی ہے

راہ پہ بچھائے کانٹے خدا کے نام پر
ہم سمجھے تھے انساں مگر تو نہیں ہے

مرتے ہیں دار پہ عاشق عبث ہزار
خنجر تیری آنکھیں، سینے میں دل نہیں ہے

زبانِ پیمبر چاہئے زندگی سمجھانے کے لئے

کوئی اور ہی دنیا ہے جئے جانے کے لئے

ہم سمجھے تھے درِ یار کو منزل اپنی

نئے ہی صنم ملے دیکھنے دِکھانے کے لئے

کہیں صدائے اللہ ھو، کہیں ہائے رام

اب کیا منظر کھلے، ہمیں دکھانے کے لئے

زندگی بسر ہوئی آرائشِ زمیں میں

پل میں خاک کا ڈھیر بنانے کے لئے

دن تو دن ہیں، راتوں کو قرار نہیں

درد بھری لے، غم کے فسانے کے لئے

کل واعظ نے بھی کیا بات کہی آفریںؔ

اک اور ہے چھڑی سبق سکھانے کے لئے

پیاسے قلم کو خونِ جگر چاہئے

چشمِ پرنم کو تاثیر و اثر چاہئے

میدانِ وفا میں شہسوار ہی ٹکتے ہیں

نمازِ یار کو طہارتِ چشمِ تر چاہئے

بہت سکوں میں کٹ چکی زندگی

اک نئی لہر نیا بحر چاہئے

طور پہ کلیم کو نور سے راہ ملی

طالبِ دید کو یار کی خبر چاہئے

ایسی گتھی نہیں جو پل میں سلجھے

دیدِ حق کیلئے صدیوں کا سفر چاہئے

کوئی سمجھے گا کیا نوائے آفریںؔ

سننے کو گوش، دیکھنے کو نظر چاہئے

مسجدوں میں بھی نہ چین آئے تو کیا کریں
سجدوں میں وہی چہرہ نظر آئے تو کیا کریں

مئے کشی سے توبہ کرنا ، کچھ مشکل نہیں
آنکھوں میں وہی زلف لہرائے تو کیا کریں

آوازِ دوست میں مل جائیں مرے الفاظ
زباں پہ اک اور غزل آجائے تو کیا کریں

اجتناب موسیقی سے گو مشکل نہیں
زبانِ فطرت سے وہ سنائیں تو کیا کریں

سمجھا نہ تھا خود کو تری دید کے قابل
پروانہ جل مرنا سکھائے تو کیا کریں

جانبِ میکدہ بڑھنے کو تھے کب تیار
کوئی ہمسفر رستہ دکھائے تو کیا کریں

پھول کھلے ہیں ،زندگی مسکرائی ہے

صبا نے چمن کو شاعری سکھائی ہے

ہمیں کب منظور تھی ایام کی اسیری

بے بسی نے ہی غلامی سکھائی ہے

نہ کہہ سکیں نہ چھپا سکتے ہیں ہم

الجھن پہ نئی الجھن چڑھ آئی ہے

عجب نہیں کہ واعظ مےَ کش ہو گئے

برقِ کلیسا بازارِ حسن میں آئی ہے

بزمِ رنداں میں ٹکنا آساں نہیں

عکسِ غیر بھی دیکھنا واں بے وفائی ہے

ناگ بن کے ڈھسیں بے جسم سائے

کس موڑ پہ آفریں زندگی ہمیں لائی ہے

سنتے تھے ہم آج رسوائی ہوگی

زمانے کی زباں پہ کہانی ہوگی

اندھیروں میں جینے کے عادی ہیں

امیدوں کی صبح کہاں آئی ہوگی

تجلی سے اسکی، کوئی بے خود ہوا

عشاق سے پردہ کریں آسانی ہوگی

.بتوں سے ٹکرا کے ٹوٹ چکے ہیں

یہ سانس تھمے تو رہائی ہوگی

انکی اک توجہ سے الجھ کے رہ گئے

دانائے دہر پھنسے زلف لہرائی ہوگی

کیسے ہو تیرے مرض کا مداوا

طبیب سے ہی بات چھپائی ہوگی

خودکو بھلا کے خدا کو پا لیا

پیرِ کامل نے بات سکھائی ہوگی

ناکارہ ولاچار سے اور کیا ہو سکے

خوابوں کی دنیا آفریں سجائی ہوگی

تشنہ لبوں کی پیاس بجھے گی کیسے

دلوں میں دبی آگ دبے گی کیسے

وقت کی شہنائیاں مدھم پڑتی جائیں

خوابوں میں الجھی آنکھ کھلے گی کیسے

خواب جو دیکھے ٹوٹ کے پاش ہوئے

خوشبوں کی کوئی سوغات سجے گی کیسے

چاند پہ قدم رکھنے والے حیران ہیں

دلِ انساں کو سکوں ملے گا کیسے

مجسمِ زندگی میں روح پھونکنے کی سعی

سانسوں کی بکھری ڈور ملے گی کیسے

دل توڑ کے رکھ دیا گردشِ ایّام نے

رنج و غم سے راحت ملے گی کیسے

ڈگمگاتے قدم

قدم عجب منزل کی طرف رواں دواں
سرخ شفق کی مہندی لئے
نور کی برسات میں
اک حسیں کے قدموں کی آہٹ
چنچل مورنی کی طرح ناچتی تصویر
مصورِ حسن کی خوابوں کی دنیا
ظلمتِ شب میں وہ ماہِ تاباں
ظاہر نہیں تو نہاں بھی تو نہیں
جو فدائے نقشِ پا ہوئے گناہ گار تو نہیں
درِ محبوب پہ سجدہ ریز ہوئے، حرم و دیر تماشائی
دل کہے کچھ تو ہے
دماغ کا کہنا کچھ بھی تو نہیں
مہنگے خواب، ہاتھ میں پھوٹی کوڑی نہیں
چشمِ پرنم، دلِ خستہ، الجھے ہوئے خواب

ہاتھ میں کچھ نہیں

زباں پہ کسی کا نام نہیں

دل میں گر نہیں کوئی چھپا

کیوں محسوس ہوا کہ اک طوفاں

ساحلِ امید سے ٹکرا کے چل دیا ہے

آخری ملاقات پہ کہنا

"تم ہو بہت اچھے!

یہ یوں ہی نہیں کہ ہر مشکل پہ

تیرا نام زباں پہ آئے"

کچھ نہیں بس وہی وعدۂ ملاقات

پھر ملیں گے تقدیر کے ملانے سے

یا روزِ محشر ہی ہوگا اپنا سامنا

صدیوں سے منتظر دلوں کی

خوابوں خیالوں کی دنیا میں ملاقات

ہر بار درِیار کو کھٹکھٹانا،آنکھیں بند کرنا

اندرون کے تصور کو پیدا کرنا

تمنائے دید نہ کر

نہ بھول اسے نہ یاد کر

وہ گردشِ ایّام، وہ دوریاں

دھندلاتے چہرے، مدھم پڑتی آوازیں

خواب وحقیقت کے بیچ کے پردوں سے

مولیٰ سیاہی کے پردے اٹھا

آخر یوں ہی تو نہیں

تو نے دکھایا وہ منظر جو دیکھا

تو زندگی سلجھ کر ہمیشہ کے لئے بکھر گئی۔

مست ہوں میں جامِ احمر کا شیدا ہو کر
ہم نے دیکھا نہیں کبھی اپنا ہو کر

تجھ سے کیا چاک ہو حجابِ حسنِ ازل
آئینۂ نورِ قدیم ہوں خاکی پتلا ہو کر

دل ہی دل میں غرق تھا آنسوں پی کر
رسوا تو نے کر دیا مجھے دریا ہو کر

خواب و حقیقت کے بیچ کتنے فاصلے
خواہشیں سمٹ گئیں اک تمنا ہو کر

عقل کے پجاری! دل کی بھی سن
قدر خود کی نہ جانی تو نے بے آسرا ہو کر

الزام اسے دیا، سینے میں جو دھڑکتا تھا
دل کو ہم نے پھینک دیا درِ بے بہا ہو کر

اب تو ہی ہمیں، وصال سے نواز
ہم تو غیر ہو گئے، تیرے سدا ہو کر

شبستاں حیات میں مہر اُبھر آئے آفریںؔ
بشر آئے گر کوئی تیرا سراپا ہو کر

کس امید پہ جئیں کس کا انتظار کریں
کسے دوست کریں کس کا اعتبار کریں

دل روئے خوں ، لبوں پہ مہرِ خاموشی
سکوت کے پجاری کیسے اظہار کریں

بزم سخن کا بَرم تیرے ہی دم سے قائم
تیرے بنا کیا لکھیں،کسے شاہکار کریں

وقت کوئی راز فاش کرنے نہ دے
چشمِ عالم کے سامنے کیا آشکار کریں

سجدوں میں بھی سکونِ بندگی نہ ملے
من کی روشن آنکھ کو کیسے بیدار کریں

جب چارہ گر ہی حالِ دل پہ ہنسے
کس کو دوست کریں،کس پہ اعتبار کریں

سفرِ طلب میں اجالوں کے متلاشی
پتھروں کو چومیں، خدا کو بیزار کریں

ہر اُجلی راہ تلے ہزاروں دلدل ہیں چھُپے
دیدِ حق کے تمنّائی کیا مسلک اختیار کریں

جو چشمِ پرنم کی آہوں کو نہ سُنے

کیا اثر اس پر مرے اشعار کریں

تنہائی

(ماخوذ: اِی ڈبلیو وِلکاکس)

ہنسو! تو ساری دنیا ہنسے ساتھ ساتھ

آنکھوں سے برسے اشکوں کی برسات

پونچھنے والا، حال پوچھنے والا کوئی نہیں

نمناک ارضِ ویراں گر خوشیاں ادھار لے مگر

کبھی نہ ختم ہونے والی اپنی داستانِ غم

سرودِ نشاط گاؤ! دشت و جبل بھی دیتے ہیں ساتھ

گر آہِ غم بھرو! تو فضاوں میں بکھر کر کھو جائے

دور تک پہنچتی ہے کوئی گونج کبھی

مگر ڈھارس بندھانے والی اک آواز بھی نہیں

شادیانے مناؤ تو لوگ ناچتے ہیں ساتھ ساتھ

افسردگی میں کوئی ساتھ دیتا نہیں

خوشی سے چمکنے چھمکنے والوں کو

کیا پرواہ کمر توڑ غمگساری کی

خوش رہو تو ہزاروں شریکِ حال

غمگیں ہو تو گھر ویراں ہو جائے

جامِ فرحت کو لب سے نہ لگانے والے ہزار ہیں

جامِ غم کو خود نوش کرنا پڑے

لوگ مزے سے کھائیں گر دو دعوتِ طعام

فاقے سے ہو تو کوئی پاس نہ پھٹکے

جیتنے والے، کچھ دینے والے بنو

مقدر کا سکندر کہلاو گے

مرنا مگر تیرا آخر مقدر ہے

خوشیوں کے شیش محل میں اک حجرہ

امید و مسرت کی سوغات دیتے ہوئے

باری باری ہمیں آبلہ پائی کرنی ہے

غم واندوہ کے پُرخار راستوں پر

آنکھوں میں بسے کوئی، کہیں تو بات چلے

دشتِ تنہائی میں، پھر کوئی ملاقات چلے

روئے تاباں کے جلووں سے مہکیں دن

زلفِ عنبریں کے سائے میں رات چلے

کتابِ ماضی کا کوئی صفحہ تو الٹے

بے نور دل میں یادوں کی بارات چلے

نرگسی سیاہ آنکھوں کی گہرائی میں ڈوبے

لہو کاسۂ دل میں بھرنے جزبات چلے

کہیں سے تو ہو، نئے سویرے کا آغاز

امیدِفردا تو ابھرے، سیاہ رات چلے

وہ دل نہیں رہا

جس دل پہ ناز تھا

کہ علاجِ مرضِ فراق ہے

جس پہ ناز تھا

کہ انجمنِ سخن کی شاہی کو

پل میں قدموں پہ نچھاور کیا

وہ جو تپش و حرارتِ عشق سے

شعلے مارتا سوئے کوئے یار رواں دواں تھا

جو نئے افکار و جزبات کا آئینہ دار تھا

جس کے گرد پروانوں کی طرح

طوافِ اہلِ دلاں تھا

جو ہر پل نئی دنیا میں سرگرداں

جو ہر لمحہ جینے کی نئی امنگ دیتا تھا

جو معدنِ اسرار و رموز تھا

جو اندھیروں کا نور تھا

جو حسن کا شیدائی تھا

جو مرضِ اطمنان کا مداوا تھا

جو زہرِ بے فکری کا تریاق تھا

جو ہنسی کے بیچ بے اختیار آنسوں تھا

جو خوفِ تنہائی میں امیدِ محفل تھا

جو الجھنِ وجود کا حل بھی تھا

جو یہ پیہم احساس دیتا تھا

کہ زندگی کے اجڑے گلستاں میں

جشنِ بہاراں کا سماں.بندھنے کو ہے

اب آنکھیں تو ہیں وہ آنسوں ہی نہیں

سینے میں وہ دل ہی نہیں

آنکھوں میں وہ خواب ہی نہیں

وہ بہار و خزاں ہی نہیں

وہ مسحور کرتی برسات ہی نہیں

وہ آنکھوں سے چھلکتے جام ہی نہیں

وہ سخن جو میسحائی کے دعوے کرتا تھا

جہانِ بے ساز میں ہزار سُر بکھیرتا تھا

روز نئی قیامتیں ڈھاتا تھا

اس میں وہ دلکشی نہ رہی

نہ وہ الفاظ رہے، نہ وہ سر رہے

کہنے کو تو سب کچھ ہے

مگر اب کچھ نہیں

نہ وہ درد وسوز، نہ وہ آرزو

نہ وہ شوق وفراق، نہ وہ حزن وملال

جو جوشِ محبت سے دھڑکتا تھا

سینے میں وہ دل نہیں رہا ۔

رگِ جاں سے پیوستہ ہو کر پنہاں ہو گیا

وہ خسرِو خوباں دل کا مہماں ہو گیا

بتوں سے آس لگائے، کٹی عمر جن کی

عناد سے ہمارے پل کا مسلماں ہو گیا

آنکھیں ہوئیں پرنم، دل رویا خوں

جور و جفائے یار سے دل پریشاں ہو گیا

آہ وزاریٔ نیم شب، بکھرے اوراقِ غم

گزارا ہمارا خوب شبِ ہجراں ہو گیا

روئے زیبا نے ڈھائیں ہزار قیامتیں

نگاہِ یار سے جی اُٹھنا آساں ہو گیا

سنگبازی سے نہ ٹوٹی ظلم کی زنجیر

خونِ ناحق سے برپا طوفاں ہو گیا

ہم تو جیتے تھے کہ درد کا مداوا ہو

جینے کی وجہ ہی غمِ جاناں ہو گیا

لائق غمگساری کے کوئی کہاں آفریںؔ

بے یار و مددگار دلِ ناداں ہو گیا

لختِ جگر

ابراہیم لنکن کا خط : اپنے بیٹے کے استاد کے نام

(ماخوذ)

سیکھنا ہوگا اسے کہ لوگ سارے

ہوتے نہیں عدل و سچائی کے فرشتے

سکھاو اسے کہ ہر غنڈے کے مدِمقابل

ہوتا ہے اک نجات دہندہ

ہر خود غرض سیاست داں کے مد مقابل

ہوتا ہے اک پر خلوص رہنما

ہر نئے دشمن کے ساتھ ساتھ

ملتا ہے بشر کو اک پیارا دوست

گرچہ مدتِ دراز چاہیے یہ سکھانے کے لئے

سکھاو اسے مگر، گر سکھا سکو!

اک پیسہ کمایا جائے جو مشقت سے

ہوتا ہے پانچ سو سے بہتر

سکھاؤ نہ صرف اسے عزت سے ہارنا

بلکہ محنت سے شادماں ہو کر جیتنا بھی

سیکھنے دو اسے کہ طاقتور سانڈوں کو گرانا

ہوتا ہے سب سے آساں

سکھاؤ اسے، گر سکھا سکو!

گھومنا کتابوں کی پراسرار دنیا

فطرت کی رنگا رنگی میں مست ہونا

پرندوں کا فلک پہ لہرا کے اڑنا

مدھو مکھیوں کا اجالوں میں پھڑ پھڑانا

پھولوں کا دامن کوہ میں مسکرانا

سکھاؤ سبق اسے مکتب حیات میں

اچھا ہے ہارنا دھوکے کی جیت سے

سکھاؤ سبق اسے اپنے اصولوں پہ اعتماد کا

گرچہ لوگ کہدیں غلط راہ پہ ہے اس کا چلن

سکھاؤ اسے حلقہ یاراں میں رہنا ابریشم کی طرح نرم

دشمنوں میں فولاد سے بھی سخت تر

سکھا و اسے، گر سکھا سکو!

غموں کے بھنور میں مسکرانا

کہ اشک بہانے میں عار نہیں

کم ہمت ناقدوں کی ہنسی میں اڑانا

زیادہ مٹھاس سے باز رہنا۔

سکھا و اسے اپنے جوہر عمل کو

عظیم تر بولی لگانے والے کو بیچنا

اپنے ضمیر کو مگر کسی قیمت پہ نہ بیچنا۔

سکھا و اسے ناداں لوگوں کے شور سے

گوشِ عمل کو بند رکھنا

اپنے عزائم کی خاطر اٹھنا اور جہاد کرنا

گر راہ صداقت پہ ہیں اسکے قدم۔

سکھا و اسے شفقت و پیار سے

دور رکھنا اسے مگر لاڈ پیار سے

کہ دہکتی بھٹی کی کوکھ سے ہی

جنم لیتا ہے بہترین فولاد۔

گرماوا اسے ہمتِ پیہم سے

لیس کر و صبر واستقلال سے

سکھاوا اسے خودشناسی وخوداعتمادی

کہ ہے یہی آدمیت کی معراج۔

جانتا ہوں کہ مشکل ہے

جو امیدیں لگایے بیٹھا ہوں

کوشش مگر کرتے رہو

کہ قائم دنیا امید پہ ہے

دھیان مگر رکھنا کہ یہ پھولوں سے نازک

ماہتاب سے چمکدار

میرا ننھا پیارا لختِ جگر ہے۔

ہر آنکھ میں خواب،ہر لب پہ کہانی ہے
ہر دل میں حسرت، ہر جا زندگانی ہے
وجودِ بے سوز و سُر کو نہ سلیقۂ آہ وزاری
نالہ چاک کرے گردوں تیری مہربانی ہے
صحراوں میں گُل کھِلے،پتھر دل پانی ہوا
تاثیر سے خالی نہیں اپنی اشکباری ہے
.بیم و رجا کے بھنور میں کٹی ہے رندوں کی
جامِ شوق سے آفریں ؔیہ زندگی سہانی ہے

اک یادِ ماضی

سونی، اندھیری رات میں

اک شاعرِ غم پرنم آنکھیں بند کرتے ہوئے

اک جہدِ مسلسل میں مرمر کے جیتے ہوئے

گھنے کہرے میں پنہاں رخِ زیبا تکتے ہوئے

سنہری یادوں کے دریا میں تیرتے ہوئے

اک نام سانسوں کی مالا پہ جپتے ہوئے

جس کا تلفظ جیسے اپنی آدھی روح سے

کانا پھوسی کرنے کا احساس دلائے

اس امید پر جاگتے ہوئے

کہ کوئی کہیں پر اسے یاد کرتا ہوگا

جسکی میٹھی آواز ابھی بھی

دل کی تاروں سے ٹکرا کر ہلچل مچاتی ہے

وہ زندگی کا سب سے گہرا زخم

وہ زندگی کا سب سے اچھا مرہم

کاش کہ یادوں کے دروازے پر

پھر سے دستک دے

اور لطف و عنایت کی اک نظر سے

باغ دل کے مہکا کے

زندگی کے بکھرے سُروں کو سنوار کر

دل کی دنیا بدل ڈالے۔

فنا کی تعلیم

(ماخوذ)

ایک وصالِ یار کا طالب

درِ محبوب کو کھٹکھٹانے لگا

کانوں میں رس گھولتی آواز میں

اندر سے کوئی پوچھنے لگا

"کون ہے ؟"

دل کو تھامتے ہوئے

وہ عرض گزار ہوا

"میں ہوں"

پھر مدھر آواز میں کسی نے کہا

"یہاں میں اور تو کی گنجائش کہاں"

پھر بابِ شوق اس پہ بند رہا

ایک سال کی صحرا نوردی ،تنہائی اور محرومی کے بعد

اس نے پھر درِ حبیب پر دستک دی

اندر سے پھر آواز آئی

"کون ہے ؟"

اس بار اس نے دل پہ ہاتھ رکھ کے کہا

"بس تم ہی ہو"

یہ سننے کی دیر تھی

کہ دروازہ اندر سے کھُل گیا

پوچھا کیوں دیدِ حق پہلے مری قسمت میں نہ تھی

جواب ملا اس بات کو دل میں بٹھا لے

حق برف کی طرح اُس کے ہاتھ میں پگھلتا ہے

جس کی روح نہ پگھلے برف کی طرح حق کے ہاتھوں میں

مات خاک سے

تیری سطح پر خون پسینہ ایک کرتے ہوئے

کمر توڑ محنت سے گھر بنایا

لہو سے سینچ کر

اک لقمہ ٔ تر منہ تک پہنچایا

اک روز تھک کے چور ہو کر

تیرے دامن پہ سر رکھتے ہوئے

شہرِ خاموشاں میں سو لیتا ہوں میں

تیرے اندر سے کسی حسین و جمیل پیکرِ خاکی کی

مہک محسوس کرتا ہوں میں

روز نئی نویلی دلہن کی طرح

سج سنور کر

کسی نہ کسی کو اپنے دامِ فریب میں پھانس کر

تو شکار کرتی پھرے

تیرے آگے اپنا کیا ہونا ہے

خاکی ہیں اور خاک میں ہی مل جانا ہے

رباعیات

1

میں لاکھ ہوا رسوا، اب بھی میرے ہاتھوں میں وہی جام ہے

حریمِ محبت میں میرا، ان آنکھوں سے وہی کلام ہے

غمِ ہستی کے نہ جھگڑے ہیں، نہ بنتے بکھرتے رشتے ہیں

یہاں راز ونیاز کی باتیں ہیں، نہ سلام ہی نہ کلام ہے

2

گلشنِ ہستی کے کانٹوں سے پہلو تہی اچھی نہیں

نہ ہو جس میں درد وکسک وہ زندگی اچھی نہیں

کبھی پھولوں کے بیچ ہی، کانٹوں پہ چل پڑے

ہستی کے بدلتے موسموں سے بے رُخی اچھی نہیں

3

نہ پوچھ اے ہمسفر کیسے جیتے تھے ہم

گھونٹ لہو کے کیسے پیتے تھے ہم

روحوں کے بیانک اندھیرے تھے

عدم بن کے جہاں رہتے تھے ہم

4

گلشنِ حیات میں مہکتے رہیے

شاخِ امید پہ چہکتے رہیے

مل جائے گی جینے کی راہ

عشق کی آگ میں دہکتے رہیے

5

اپنی ہستی گنوا بیٹھے رونے دے ہمیں

انعامِ زندگی کو کھونے دے ہمیں

پھولوں سے زخم کھائے ہیں عمر بھر

کانٹوں کی سیج پہ ہی سونے دے ہمیں

6

تپتی ریت پہ ہواؤں نے لکھا ہے

اس شہر میں مہر نہ ہی وفا ہے

خوشی میں تیرا، یہ ہے، وہ ہے

غم کی برسات میں بھیگنا تو تنہا ہے

7

آنکھوں میں کوئی صورت نہیں،لب پہ کوئی نام نہیں

سینے پہ کوئی زخم نہیں، ہاتھوں میں کوئی جام نہیں

محفلِ شوق سجائے بیٹھے ہو،آفاق کا کوئی غم ہی نہیں

مجروح قدم سوئے دار نہیں، سر پہ کوئی الزام نہیں

میر امتیاز آفریں وادی کشمیر کے ایک ابھرتے ہوئے اسلامی اسکالر، ادیب، شاعر، کالم نگار، مصنف، استاد اور سوشل ایکٹوسٹ ہیں۔ ابتدائی تعلیم مقامی تعلیمی اداروں سے حاصل کرنے کے بعد انہوں نے کشمیر یونیورسٹی سے انگریزی ادب اور اسلامیات میں ماسٹرز کیا اور کئی محکموں میں کام کرنے کے بعد محکمہ تعلیم میں بطورِ لیکچرر درس وتدریس سے باقاعدہ طور پر اپنے کیریئر کا آغاز کیا۔ تقریباً ایک دہائی سے آپ انگریزی زبان وادب کے ساتھ ساتھ اسلامیات کے مختلف گوشوں پر لیکچر دیتے آئے ہیں۔

انگریزی، اردو، کشمیری، فارسی اور عربی زبانوں کے ساتھ گہری دلچسپی رکھنے کے ساتھ ساتھ اسلام، تصوف، شاعری اور فلسفے کے ساتھ ان کا گہرا ربط رہا ہے۔ ان کے مقالے، نظمیں اور غزلیں کئی معروف اخبارات اور رسائل کی زینت بن کر داد حاصل کر چکی ہیں۔ ان کی کئی کتابیں ابھی تک منظر عام پر آ چکی ہیں۔ اسلام کے نظام زکوۃ پر ان کی تالیف "کتاب الزکوۃ" کو علمی حلقوں میں خوب سراہا گیا۔ انہوں نے عازمین حج وعمرہ کے لئے ایک حج گائڈ بھی بعنوان "رہنمائے حج وعمرہ: قدم بہ قدم" بھی تحریر فرمایا جسے کافی پسند کیا گیا۔ ان کی تحقیقی نوعیت کی کتاب مجموعہ مضامین ومقالات بعنوان "کشمیر میں اسلامی انقلاب اور حضرت شاہ ہمدانؒ" حال ہی میں شائع ہوئی جسے علمی حلقوں میں کافی پسند کیا گیا۔ میر امتیاز آفریں ایک ولولہ انگیز اوصاف سے متصف شاعر ہیں۔ انگریزی زبان میں ان کا پہلا شعری مجموعہ شائع ہو چکا ہے۔



اردو زبان میں ان کا اولین شعری مجموعہ "نقش وفا" کے عنوان سے ہے۔ یہ مجموعہ زیادہ تر غزلیات اور کچھ نظموں پر مشتمل ہے جو عموماً رومانیت اور روحانیت کے احساسات اور جذبات کے گرد گھومتی ہیں۔ ان کی تحریر میں گہرائی اور مٹھاس ہے۔ "نقش وفا" میں انہوں نے اپنی عرفانی، وجدانی اور رومانی احساسات کو شعری جامہ پہنانے کی دلکش کوشش کی ہے۔ کبھی حقیقت کو مجاز کے پردے میں تو کبھی مجاز کو حقیقت کے پردوں میں سجانے کی سعی کی گئی ہے۔ وہ اپنے کلام کو فلسفیانہ گتھیاں سلجھانے کیلئے نہیں بلکہ جمالیاتی ابلاغ کے لئے وقف کئے ہوئے نظر آتے ہیں۔ اس مجموعہ کلام میں دقت پسندی اور ابہام سے بچتے ہوئے نہایت ہی آسان وشیریں لب ولہجہ اختیار کیا گیا ہے۔ یہ مجموعہ دراصل شاعر کے داخلی کیفیات واحساسات کی ترجمانی کرتا ہے اور دوران مطالعہ ایسا محسوس ہونے لگنے لگتا ہے جیسے قاری ایک روح پرور، معطر اور راحت افزا ذہنی فضا میں پہنچ گیا ہو۔